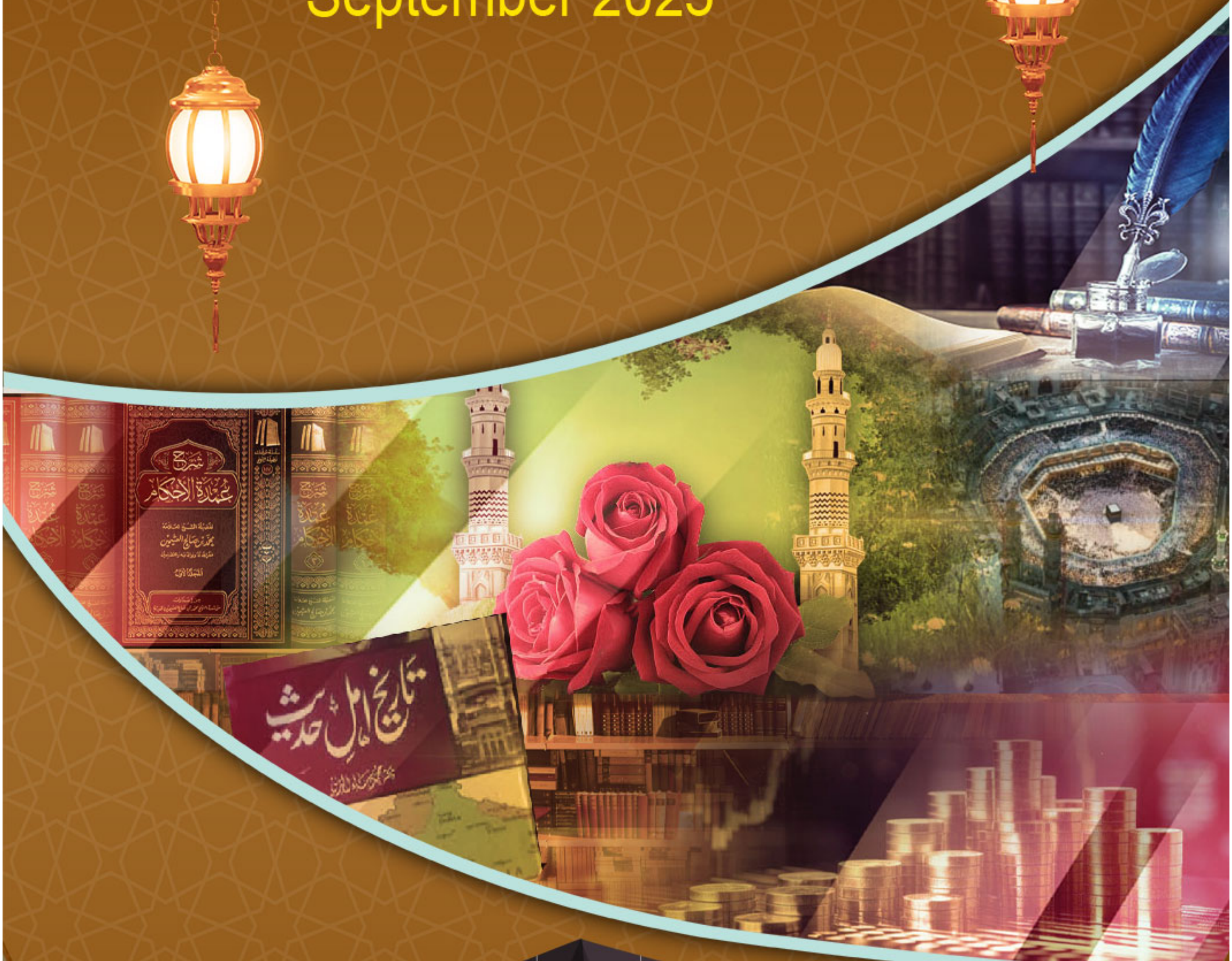
ماھنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

September 2025





وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 45 No.11 September 2025

Rabi-Al-Awwal/ Rabi al-Thani1447 AH

جلد: 45 شمارہ: 11 ستمبر 2025ء

ربیع الاول/ربیع الثانی: 1447ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:

SIRATE-MUSTAQEEM

20 Green Lane, Small Heath,

Birmingham B9 5DB

Tel: 0121 773 0019

Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK

www.mjah.org.uk/siratemustaqeem

E-mail: info@mjah.org.uk



اسلام سچا مذہب ہے! مسلمان کی زندگی اس کا مظہر ہونا چاہیے

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اسلام کو پروان چڑھانے کیلئے سب سے بڑا عنصر کردار و اخلاق کا رہا ہے۔

دشمنان اسلام کا یہ الزام کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے، یہ ان لوگوں کی ذہنی اختراع اور اسلام سے بغض وعداوت کی کھلی دلیل ہے لیکن بعض اوقات اسلام کی روح اور اس کے منشاء اور نبی محترم حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات سے ناواقف مسلم بھائیوں کی غلط روش کو دیکھ کر غیر لوگ اس کا استحصال کیا کرتے ہیں اور مذہب اسلام کو بدنام کرنے کی انہیں ایک شہ مل جاتی ہے۔ لہٰذ یہ لوگ راست طور پر اسلام کو نشانہ بناتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اسلام دشمن صحافت اور حکومتیں ان کا بھرپور تعاون کرتیں ہیں: لہٰذا دشمنان اسلام کی فضول بکواس کا جواب دینے کیلئے اس کا علاج صرف یہی ہے کہ ملت اسلامیہ کے وہ افراد جن کی کمزوری کی بناء پر غیروں کو جو موقع ہاتھ آرہا ہے اس کی طرف توجہ کریں اور ملت کا ہر فرد اپنی اصلاح اور اپنے بھائیوں کی صالح تربیت کی فکر کرے۔

ملت اسلامیہ کی سربلندی اس بات میں مضمر ہے کہ اس کے ماننے والوں کے اندر سے وہ تمام خامیاں، خرابیاں کوتاہیاں دور ہوں، جو ایک صالح معاشرے کیلئے ضروری ہوا کرتی ہیں کیونکہ جب تک فرد کی اصلاح نہیں ہوتی صالح معاشرے کی تعمیر کا فقدان رہا کرتا ہے۔

ان حالات میں ملت اسلامیہ کے افراد کو اپنا بھولا ہوا سبق پھر پڑھنا ہوگا اور اچھی طرح یاد بھی کرلینا ہے کہ ہم کہاں تھے اور کس منصب پر فائز کئے گئے تھے اور ہماری کیا کیا ذمہ داریاں تھیں جنہیں ہم بھول بیٹھے۔

تو آیئے قارئین! سب سے پہلے ہم اسلام کے سرچشمہ ہدایت قرآن پر نظر ڈالیں:

قرآن حکیم کے سورۃ آل عمران کی آیات نمبر 110 میں اللہ تبارک تعالیٰ امت مسلمہ کے وجود میں لائے جانے کا مقصد اور ان کی ذمہ داری کی طرف نشاندہی کرکے یہ فرمارہا ہے کہ تم کو ایک اعلیٰ مقصد کیلئے اٹھایا گیا ہے اب تمہارا کام یہ ہونا چاہئے کہ تم لوگوں کو بھلی بات کا حکم کرو اور بری باتوں سے روکو، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت مبارکہ کی ترجمانی یوں فرمائی ہے:

”اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“

ہم دنیا میں بہترین گروہ اس وقت ہوں گے جبکہ ہم نیکی کا حکم اور حق کی تلقین کرنے لگ جائیں اور بہترین گروہ ہونے کا تقاضہ یہ بھی کہ ہم برائیوں کا خاتمہ کرنے کی مقدور بھر کوششیں کریں۔

ظاہر بات ہے کہ ہم کو اس وقت تک نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کا احساس نہیں ہوگا، جب تک کہ ہم خود اس پر عامل نہ ہوجائیں چونکہ مومن کی پوری زندگی اسلام کی سچائی کی گواہ ہوتی ہے اور انکی پوری حیات حقانیت کے مظاہر پیش کرتی ہے ،یعنی اسلام دنیا کا سب سے اچھا اور حق کا علمبردار ہے تو پھر اسکے ماننے والوں کی زندگی بھی اس کے معیار پر پوری اترنی چاہیے۔ جو مومن ہوتا ہے اس کا اظہار اس کے شب و روز کے طرز عمل سے ہوتا ہے۔ غرض کہ ہمارے اخلاق ہمارے کردار ہماری گفتگو ہمارے کاروبار، لوگوں سے ہمارا سلوک الغرض ہماری زندگی کے ہر شعبہ سے حق وانصاف کا ظہور ہونے لگے اور ہمارے قول وعمل میں کسی قسم کا کوئی تضاد پایا نہیں جانا چاہئے

چونکہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ ہر چیز کو پہلے ظاہری طور پر دیکھتا ہے اگر اسے ان چیزوں میں خوبیاں نظر آتی ہیں تو اس کے قریب ہوتا ہے اگرچہ کہ اسلام کی خوبیاں ایک حقیقت ہیں اور اسلام اپنے اندر بذات خود ایک بہترین کشش رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بھی یہ سنت رہی ہے کہ انبیاء علیہ السلام کو مبعوث فرمانے سے قبل ان کے اندر وہ مومنانہ صفات اور بہترین اخلاق و کردار پیدا فرماتا ہے۔ یعنی انبیاء کی تاریخ رہی ہے کہ ان کے اندر شروع سے وہ خوبیاں پائی جاتی ہیں جو انسانی اخلاقی اقدار کے لیے نہایت ہی ضروری ہیں۔

ٹھیک اسی طریقہ سے اللہ کے محبوب اور آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اندر بھی وہ تمام خوبیاں اعلان نبوت سے قبل بھی پائی جاتی تھیں۔

یہی وجہ ہے کہ عرب کے اس مشرکانہ و باغیانہ ماحول میں جبکہ ابھی آپ ﷺ کے اخلاق و کردار اور آپ کے حسن سلوک اور آپ کی گفتگو کا انداز اور آپ کی معاملہ فہمی کو دیکھ کر مشرکین، آپؐ کو امین و صادق کے القاب سے یاد کرتے۔

غرضیکہ سرکار دوعالم ﷺ نے نبوت کے اس اونچے منصب کے اعلان سے قبل اپنے کردار کا مظاہر

فرمایالہٰذ ہم مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ سب سے پہلے ہم اپنے کردار کا جائزہ لیں کیونکہ جہاں پر حسن اخلاق وکردار خود ایک مسلمان کیلئے مومنانہ صفات میں ارتقاء کا سبب ہے وہیں پر اسلام کے فروغ کیلئے معاون ومددگار بھی ثابت ہوا کرتے ہیں، لہٰذا اب اہل ایمان پر ساری دنیا میں یہ ذمہ داری ہے جنہوں نے دین اسلام کو دین حق، دین رحمت سمجھ کر قبول کیا ہے، اس کی گواہی اور شہادت حق اپنے قول وفعل کے ذریعہ سارے بندگان خدا کے سامنے پیش کریں کہیں ایسانہ ہو کہ ہم جس دین رحمت کا دعوی کرتے ہیں اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں لیکن ہمارا عمل ہماری گفتگو، ہمارے کردار ہمارے اخلاق ہمارے دعوے؛ ہماری دعوت کے برخلاف ہوں، اگر ایسا ہوا تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام کی سربلندی اور اس کے غلبہ اور اقامت دین رحمت کی راہ میں ہم خود سب سے بڑی رکاوٹ بن رہے ہیں۔

اسلامی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بہترین کردار اخلاق و معاملات نے ایک تھوڑے سے عرصہ میں بہترین نفوس پر مشتمل ایک ایسی صالح جماعت تیار کی جو ساری دنیا میں قیامت تک کیلئے بہترین نمونہ ہے۔

اب اس وقت مسلمانوں کیلئے کرنے کے کام یہ یہ ہیں کہ اللہ کی کتاب کے ذریعہ اسے اپنا لائحہ عمل بنالیں اس کے مضامین پر غور کریں اور اسی کو دستور حیات مانیں۔ یہ بات بہت ہی اہم اور لائق قدر ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے علماء کرام نے مقامی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کئے ہیں صرف تراجم ہی نہیں بلکہ اس کی تفہیم وتفسیر بھی کی جاچکی ہے اور یہ ان بزرگ حضرات کا ملت پر ایک احسان عظیم ہے۔ لہٰذا اس سے استفادہ کریں اور نبی کریم ﷺ کی احادیث شریفہ کو اس کے معنی و مفہوم کے ساتھ اچھی طرح ذہن نشین کریں جو قرآن کو سمجھنے میں ہمارے لئے یقیناً معاون و مددگار ثابت ہوں گی اور حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھنا ممکن نہیں۔

مختصر یہ کہ قرآن و حدیث یہ دو چیزیں اور روش صحابہؓ یہ ایسی چیز ہے کہ آدمی کو سیدھی راہ متعین کرنے میں مدد کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں اپنے اخلاق و معاملات کو سنوارنے کیلئے سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں جو ہماری زندگی میں صالح انقلاب لانے کیلئے ضروری ہے۔ اس کے بغیر نہ تو اقامت دین کا تصور کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی صالح معاشرہ و معاشرت کی تشکیل ممکن ہے۔

جیسا کہ میں اپنے مضمون کے آغاز میں اشارہ کرچکا ہوں کہ ہمارے مسلم بھائیوں کی اکثریت دین اسلام کا غلط نمونہ اپنے حال و قال سے پیش کرتی ہے جس کی معقول وجہ یہ ہے کہ ان کی اکثریت دین اسلام کے صحیح تصور سے ناواقف ہے یا تو انہیں واقف نہیں کروایا گیا یا پھر دین کا ایک مختصر خاکہ ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اب ہمارے سامنے ملت اسلامیہ کے تین طبقہ پائے جاتے ہیں :

(الف) یہ کہ دین سے بالکل ہی کورے۔

(ب) یہ کہ دین اسلام کے دائرہ کو محدود کرتے ہوئے چند فرائض و واجبات پر قائم ہوکر اسی کو مکمل دین سمجھنے والے۔

(ج) یہ کہ دین رحمت کا وسیع تصور عوام الناس کے سامنے پیش کرنے والے۔

لیکن اول الذکر گروہ جو ایک بڑی اکثریت پر مشتمل ہے اور دنیا انہیں کو دیکھ کر اسلام سے متنفر ہورہی ہے لہٰذا ضرورت اس وقت اس بات کی محسوس کی جاتی ہے کہ جہل میں پڑے اکثریت میں پائے جانے والے مسلمان بھائیوں کی طرف اولین اور ترجیحاً توجہ مرکوز کی جائے تاکہ اسلام کی بگڑی ہوئی تصویر پھر اس کی اصلی شکل و صورت میں ظاہر ہوسکے اور اس کے محاسن کو دیکھ کر لوگ اس کی طرف کھنچے کھنچے دوڑ چلے آئیں اس کیلئے اولین شرط یہ ہے کہ جو لوگ دین کی خدمت کرنا چاہتے ہیں (مگر محدود تصور دین رکھتے ہیں) انہیں چاہئے کہ اپنے تصور دین کا دائرہ تھوڑا وسیع کریں اور مکمل تصور دین رکھنے والوں کا ساتھ دیں یا کم سے کم مخالفانہ ذہن ختم کردیں۔

اور یہ بات بھی بڑی قابل غور اور قابل عمل ہے کہ جو لوگ دین کے مکمل تصور کے ساتھ میدان عمل میں ہیں انہیں بھی چاہئے کہ یہ جس دین رحمت کی دعوت عوام الناس کو دے رہے ہیں وہ خود کہاں تک اس پر عمل پیرا ہیں ؟؟ کیونکہ داعی دین کی ہر ایک حرکت جو ان کے شب روز سے ظاہر ہوتی رہتی ہے لوگ ان پر گہری نظر رکھتے ہیں اور یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ داعی باعمل کی بات دلوں پر اثر و نفوذ کرجاتی ہے۔

☆☆☆

ایک شخص بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ یارسول اللہ ﷺ ! یہ فرمایئے کہ قیامت کب برپا ہوگی؟ شافع محشر ﷺ نے اس سے پوچھا: "مَا أَعدَدتَ لَها"

تم نے قیامت کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟ اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! میں نے نہ تو زیادہ نمازیں پڑھی ہیں، نہ زیادہ روزے رکھے ہیں اور نہ زیادہ صدقات ہی دیئے ہیں۔

"لَكِنّي أُحِبُّ اللهَ رَسُولَه."

البتہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا:

«أَنتَ مَعَ مَن أَحبَبتَ» تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تُو محبت کرتا ہوگا۔" (صحیح بخاری)



رسول اللہ ﷺ کے تراشے، صبر و استقامت کے پیکر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (سورة البقرة: 153)

حمد و ثنا اور شکر و تعریف اللہ رب العالمین کے لیے، جو مالک الملک، خالقِ کل، عالمِ کل ہے۔ درود و سلام اور صلاۃ و تسلیم، سرور انبیاء کے لیے جو امام کل اور رحمت کل ہیں۔ قرآن کریم کی جو آیت کریمہ خطبہ کے ساتھ میں نے پڑھی، اس میں رب کریم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (سورة البقرة: 153)

"اے ایمان والو! اللہ کی مدد چاہو، صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔"

اسلام ہمیں جن باتوں کی تعلیم دیتا ہے، اسلام لانے کے بعد جو باتیں ہمارے لیے کرنی ضروری ہیں، ان میں صبر بھی ہے اور شکر بھی ہے۔ شکر کی بات ان شاءاللہ آیندہ کریں گے۔ آج صبر کی بات کرتے ہیں۔

صبر کیا ہے؟ صبر اصل میں کہتے ہیں، اپنے آپ کو روکنا۔ روکنا کس چیز سے؟ گناہ کرنے سے، اللہ کی نافرمانی کرنے سے اور حالات کی شکایت کرنے سے۔ حالات اچھے نہ ہوں تو اس پر اللہ سے ناراض ہونے سے اپنے آپ کو روکنا۔ پھر صبر کہتے ہیں برداشت کو۔ بھوک ہو، پیاس ہو، جسمانی یا ذہنی تکلیف ہو، اس کے باوجود اپنے آپ کو شکوہ و شکایت اور نافرمانی سے اللہ کی رضا کے لیے برداشت کرتے ہوئے دین پر قائم رہنا۔ دوسرے لفظوں میں صبر کہتے ہیں: ثابت قدمی کو، استقامت کو۔ دین پر اور اپنے اصول پر مشقتوں کے باوجود قائم رہنا صبر ہے۔

اس کی فضیلت کیا ہے؟ جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا کہ صبر سے اللہ کا ساتھ ملتا ہے، اللہ کی مدد ملتی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (سورة البقرة: 153)

یہ ایک اونچا عمل ہے۔ اس کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ صبر ایک بلند اور زبردست قسم کا عمل ہے۔ قرآن نے کہا:

﴿وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ (سورة الشورى: 43)

"صبر کرنا، یہ بہت مضبوط عزم والوں کی بات ہے۔"

اور اسی حساب سے اس کا بے پناہ اجر ہے۔

صبر کی تیسری فضیلت بے حساب اجر ہے۔ قرآن نے بتایا کہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر دیا جائے گا تو بلا حساب دیا جائے گا، صبر کا بے حساب اجر ہو گا، بہت زیادہ اجر ہو گا جو صبر کرنے والوں کو ملے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی پوری کی پوری آزمائش ہے، امتحان ہے اور خاص طور پہ ایمان کا دعوی کرنے کے بعد، پھر آزمائشیں ضرور آتی ہیں۔

قرآن ہی کا فیصلہ ہے:

﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾ (سورة العنكبوت: 2)

کہ لوگوں نے کیسے یہ سمجھ لیا کہ آمَنّا کہنے اور ایمان لانے کے بعد ان کی کوئی آزمائش نہیں ہو گی؟ ضرور ہو گی، پرکھ ہو گی، امتحان ہو گا، آزمائش ہو گی کہ وہ اپنے دعویٰ ایمان میں کہاں تک سچے ہیں؟ دعوے کی سچائی ثابت کرنا ہو گی، صبر سے، برداشت سے اور ثابت قدمی سے۔ ویسے بھی زندگی میں ایمان ہو یا نہ ہو، تکلیفیں آتی رہتی ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾ (سورة البقرة: 155)

"ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے، بھوک بھی آئے گی، خوف بھی آئے گا، مال و جان میں کمی کی آزمائش بھی آئے گی اور ان سب تکلیفوں اور مصیبتوں میں جو چیز سہارا دیتی ہے، وہ ایمان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ﴾ (سورة التغابن: 11)

تکلیفیں اللہ کے حکم سے آتی ہیں۔ جو ایمان والا ہے، اس کے دل کو اللہ تعالیٰ قائم کر دیتا ہے۔ ایمان پارس کا پتھر ہے۔ پارس کہتے ہیں، ایک فرضی پتھر کو، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس سے جو چیز بھی لگے، وہ سونا بن جاتی ہے، قیمتی بن جاتی ہے تو ایمان بھی ایسا ہی پارس کا پتھر ہے۔ پارس کا وہ پتھر تو حقیقت نہیں، بس کہانی ہے، لیکن یہ پارس کا پتھر، جس کا نام ایمان ہے، یہ ایک حقیقت ہے، جو ہر چیز کو سونا بنا دیتا ہے، یعنی قیمتی بنا دیتا ہے، ثواب والا بنا دیتا ہے، اجر والا بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں رسول اللہ

ﷺ نے اپنی حیرانی کا اظہار کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ

ایمان کتنی بڑی دولت ہے، کتنا بڑا پتھر ہے، پارس کا پتھر۔ فرمایا:

«عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ» (صحيح مسلم: 2999)

میں مؤمن کے معاملے پر حیران ہوتا ہوں، کیا خوب معاملہ ہے، انجام اور نتیجے کے لحاظ سے اس کے تمام کام بہتر ہو جاتے ہیں۔ اگر اسے آرام پہنچتا ہے، راحت پہنچتی ہے، تو وہ شکر کرتا ہے، جس سے یہ راحت اس کے لیے انجام کے لحاظ سے خیر ہو جاتی ہے، بہتر ہو جاتی ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے، جس سے وہ تکلیف اس کے لیے اچھی ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس کے لیے دونوں چیزیں اچھی ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں آپ نے ﷺ بڑی عظیم بات فرمائی، بڑی خوش خبری دی۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ، وَلا وَصَبٍ، وَلاهَمٍّ، وَلا حَزَنٍ، وَلا أَذًى، وَلا غَمٍّ، حَتَّى الشَّوْكَةُ يُشَاكُهَا، إِلا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ» (الأدب المفرد: 492)

کہ مسلمان آدمی تھکاوٹ کا شکار ہو۔ وہ بیماری کا شکار ہو، اسے کوئی غم یا کوئی چنتا لگی ہو، دل میں کوئی تکلیف ہو، حتیٰ کہ اسے کوئی کانٹا بھی چبھ جائے، یعنی معمولی سی تکلیف بھی پہنچے تو کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف کر دیتا ہے۔ اس کی خطائیں دھو دی جاتی ہیں اور اسے ان کے عذاب سے بچالیا جاتا ہے۔

اسی حوالے سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ» (سنن أبو داؤد: 1644)

اللہ کی عطائیں اور نعمتیں بہت سی ہیں، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ صبر سب سے بڑی نعمت ہے۔ جسے صبر کی عادت مل جائے، اسے سب سے بڑی نعمت مل جاتی ہے۔ موت ہو، بیماری ہو، نقصان ہو، تکلیف ہو، مصیبت ہو، اس پر صبر کرنے کی تعلیم ہمیں دی گئی ہے۔

بیماری کی بات کر لیں، کوئی صحابی یا ساتھی بیمار ہوتا تو آپ اس کی عیادت فرماتے، بیمار پرسی کرتے اور فرماتے:

«لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ» (صحيح البخاري: 3616)

فکر نہ کرو، غم نہ کرو، بیماری سے پریشان نہ ہو جاؤ، اس سے تمہاری خطائیں معاف ہوں گی۔

بعض سخت بیماریاں ہیں، جن کا آپ ﷺ نے ذکر کیا۔ طاعون سخت تکلیف والی بیماری ہے۔ فرمایا کہ اس میں مبتلا ہو کر، اگر کوئی مسلمان فوت ہو جاتا ہے تو:

« وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُونِ فَهُوَ شَهِيدٌ » (صحيح مسلم:1915)

« إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ الشَّهِيدِ» (مسند إسحاق بن راهويه: 1016/3)

اسے شہید جیسا ثواب ملتا ہے۔

اسی وجہ سے مشہور صحابی سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو طاعون کی گلٹی نکلی۔ ہاتھ پر بھی گلٹی تھی تو وہ اس ہاتھ کو چومتے تھے کہ اس گلٹی کی وجہ سے، مجھے جنت مل جائے گی تو کوئی بات نہیں۔

آپ ﷺ کے زمانے میں ایک خاتون تھی ، جسے مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئی اور اس نے دعا کی درخواست کی۔

آپ ﷺ نے اس سے عجیب بات کہی، فرمایا:

«إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ» (صحيح بخاري: 5652)

”اگر تو چاہے تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں، اللہ فضل کرے گا لیکن اگر تو صبر کرے تو اس کے بدلے میں تجھے جنت ملے گی۔“

اس نے کہا: ”میں صبر کروں گی، لیکن دعا کریں کہ جب مجھے دورہ پڑے تو میرا ستر نہ کھلے تاکہ بے پردگی نہ ہو۔“ آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا کی۔

بعد میں وہ عورت گزر رہی ہوتی تو سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے:

”آؤ دیکھو، یہ جنتی عورت جا رہی ہے، کیونکہ اس نے بیماری پر صبر کیا اور نبی ﷺ نے بشارت دی تھی کہ اگر صبر کرو گی تو تمہیں جنت مل جائے گی۔“

مالی نقصان پر صبر کا قصہ، شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے سنایا جاتا ہے۔ وہ کپڑے وغیرہ کی تجارت کرتے تھے۔ خبر ملی کہ جس جہاز میں مال آ رہا تھا وہ ڈوب گیا۔ انہوں نے کہا: ”الحمد للہ“ یعنی ہر حال میں اللہ کا شکر ہے۔ پھر خبر آئی کہ نہیں، وہ جہاز کوئی اور تھا، وہ جہاز نہیں تھا، جس پہ آپ کا مال آ رہا تھا۔ پھر کہا: ”الحمد للہ“ یعنی ہر حال میں شکر۔ اچھی خبر ہو تو بھی "الحمد للہ"، اور اچھی نہ ہو تو اس پر بھی ”الحمد للہ“

اسی طرح انسان کو بدنی تکلیف، جسمانی تکلیف آتی رہتی ہے۔ کس کو نہیں تکالیف آتیں؟ انبیاء پر بھی آئیں، اُحد میں نبی کریم ﷺ کے دانت ٹوٹے، جنگ میں پنڈلیاں زخمی ہوئیں۔ پتھر آپ کو مارے گئے، حتیٰ کہ دنیا سے رخصت کے وقت بھی آپ کو شدید بخار ہوا۔ چادر کے اوپر سے بھی آپ کے جسم کو ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا تھا، اتنا گرم تھا۔ حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا کہہ رہی تھیں:
"ہائے میرے ابا کتنی تکلیف میں ہیں۔"
تو آپ ﷺ نے فرمایا:
«لَيْسَ عَلَى أَبِيكِ كَرْبٌ بَعْدَ الْيَوْمِ» (صحیح بخاری: 4462)
"آج کے بعد تیرے ابا کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، ان شاءاللہ۔"

بے شک تکلیف کے ساتھ راحت بھی ملتی ہے۔ دنیا میں انبیاء پر بھی تکلیفیں آئیں لیکن انہوں نے صبر کیا۔ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں میں زخم تھا۔ طبیبوں نے پاؤں کاٹنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ کوئی نشہ آور دوائی پینی پڑے گی۔ انہوں نے کہا:
"میں نشہ آور دوائی نہیں پیوں گا، تم کاٹو میں اللہ کا نام لیتا ہوں، قرآن پڑھتا ہوں تم پاؤں کاٹو۔" اسی رات ان کا ایک بیٹا فوت ہو گیا، لوگ تعزیت کے لیے آئے تو وہ اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ تکلیفوں کے باوجود، پاؤں کٹنے کے باوجود، بیٹے کے فوت ہونے کے باوجود۔

انہوں نے فرمایا:
"اللہ نے چار ہاتھ پاؤں دیئے تھے۔ ابھی ایک ہی کٹا ہے، تین تو میرے پاس موجود ہیں اور اسی طرح چھ سات بیٹے تھے۔ ایک بیٹا اللہ نے لے لیا ہے، باقی تو موجود ہیں۔ تو کس بات پہ ناشکری کروں؟ کس بات پہ بے صبری دکھاؤں؟" (تاریخ ابن عساکر: 145/2)

اپنے کسی عزیز کی موت کی بھی انسان کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ جتنا کوئی عزیز پیارا ہو، اتنی ہی تکلیف زیادہ ہوتی ہے، لیکن آپ نے اس کے لیے بشارت دی، بلکہ اللہ کا فرمان حدیث قدسی میں بتایا۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا :
«مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِي جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ، إِلَّا الْجَنَّةُ» (صحیح بخاری: 6424)
"میرا مومن بندہ جب اپنے کسی پیارے کی موت پر صبر کرتا ہے اور اس موت کی پریشانی سے ثواب کی امید رکھتا ہے، تو میں اسے اس کے بدلے میں جنت عطا کرتا ہوں۔"

نبی کریم ﷺ کی ایک صاحبزادی، آپ کی بیٹی نے پیغام بھیجا کہ
"آپ کا نواسہ، میرا بیٹا نزع کے عالم میں ہے، فوت ہو رہا ہے تو تشریف لائیں، مجھے تسلی ہو جائے گی۔"
آپ فوری جا نہیں سکتے تھے، مصروف تھے۔ آپ نے پیغام بھیجا کہ
« إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ اللَّهِ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ» (صحیح بخاری: 6602)
"جو کچھ دیتا ہے، اولاد ہو یا کچھ اور، وہ اللہ دیتا ہے اور جو واپس لیتا ہے وہ بھی اللہ لیتا ہے۔ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے، بندوں کا بھی وقت مقرر ہے۔ صبر کرو اور اللہ سے ثواب کی امید رکھو۔" پھر بیٹی نے اصرار کیا کہ آپ ضرور آئیں تو آپ تشریف لے گئے۔ جا کے بچے کو فوت ہوتے دیکھا، آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ پوچھنے والے نے پوچھا، "آپ بھی روتے ہیں؟ کہ آپ تو نبی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:
"میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے رحم ڈالا ہے، اپنے بندوں کے دل میں رحم ڈالا ہے اور اس رحم کی وجہ سے آنسو بہہ رہے ہیں، لیکن زبان سے کوئی ایسی بات نہیں ہوگی، جس سے اللہ کی شکایت ہو۔" (صحیح مسلم:923)

پھر اسی طرح ایذاؤں اور تکلیفوں پر صبر ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہر قسم کی تکلیفیں دیکھیں۔ شعب ابی طالب میں بائیکاٹ ہوا۔ خریدنے کی چیزیں، کھانے پینے کی چیزیں روک لی گئیں۔ قریش کے قبیلوں نے آپس میں معاہدہ کر لیا کہ بنی ہاشم کو، نبی کریم ﷺ کے ساتھیوں کو کچھ نہیں دیں گے۔ دو سال سے زیادہ عرصہ یہ بائیکاٹ جاری رہا اور آپ صبر کرتے رہے، اللہ کا شکوہ نہیں کیا۔ اسی طرح طائف و اُحد کا میدان اور دیگر مواقع پر آپ کو تکلیفوں کا نشانہ بنایا گیا مگر ان مصائب اور تکلیفیں دینے والوں سے آپ نے کبھی بدلہ نہیں لیا۔
جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:
«وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِنَفْسِهِ» (صحیح مسلم: 6045)
"نبی کریم ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔"

فتح مکہ کے بعد کے واقعات اس کی واضح مثال ہیں، جب آپ نے پتھر برسانے والوں کو، گالیاں دینے والوں کو، جنگیں مسلط کرنے والوں کو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خاک و خون میں نہلانے والوں کو، سب کو معاف کر دیا۔ یہاں تک کہ ابو سفیان کو، ابو جہل کے بیٹے کو اور قاتلِ سیدنا حمزہ، وحشی بن حرب کو بھی معاف کر دیا۔ یہ آپ کے صبر کی انتہا تھی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے اپنے پیارے چچا حمزہ کی لاش دیکھی، ان کا چاک شدہ جگر اور پیٹ دیکھا، تو آپ نے فرمایا: "اگر مجھے فتح کا موقع ملا تو میں کافروں کے تیس آدمیوں سے یہی سلوک کروں گا، جو میرے چچا سے کیا گیا ہے۔"
لیکن پھر قرآن پاک کی آیتیں نازل ہو گئیں۔
چودھویں پارے کی آخری آیات، سورہ نحل میں ارشاد ہوا کہ اگر بدلہ لینا ہے تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ ایک کا بدلہ تیس نہیں، ایک کا بدلہ ایک ہوتا ہے اور آگے فرمایا کہ اگر صبر کرو، ایک کا بھی بدلہ نہ لو، تو یہ بہتر ہے۔

آپ کو خاص طور پر حکم ہوا کہ چونکہ آپ کو اخلاق عالیہ کے اونچے سے اونچے درجے پر لے کر جانا ہے، اس لیے آپ صبر ہی کریں۔ یہ صبر اللہ کی توفیق سے ہوگا، لیکن آپ صبر کریں۔

اس لیے سختیوں کے باوجود، مظالم کے باوجود آپ نے صبر کیا۔

پھر صبر کی ایک اور اعلیٰ قسم ہے: حق پر قائم رہنا، دین پر قائم رہنا، مشکلات، مصائب اور پریشانیوں کے باوجود۔ خواہ وہ پریشانی بیماری کی ہو، غربت کی ہو، افلاس کی ہو، ظلم کی ہو، زیادتی کی ہو، ہر حال میں دین پر چلتے رہنا اور اس پر قائم رہنا، اسے نہ چھوڑنا۔ ایک صحابی نے آپ سے مختصر سی نصیحت کی درخواست کی تھی کہ ایسی نصیحت کر دیں جو میرے کام آئے، لیکن ہو چھوٹی سی، لمبی بات نہ ہو۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ فَاسْتَقِمْ» (صحیح مسلم: 159)

"ایمان لا کر قائم ہو جا۔" یہ تیرے لیے نصیحت ہے۔ استقامت، صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ ایمان پر جمے رہو۔ بعض لوگ چھوٹی سی تکلیف پر بے صبری کرتے ہیں، جزع فزع کرتے ہیں، لیکن صحیح اور پکے ایمان والے ایسا نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنّ الّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنّةِ الّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ﴾ (سورة فصلت: 30)

بے شک وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد استقامت اور ثابت قدمی کے ساتھ حق پر جمے رہتے ہیں، ان کے لیے نعمتیں ہیں، ان کے لیے بشارتیں ہیں۔ ان کے لیے فرشتے اترتے ہیں۔ ایماندار کو آزمائش کی بھٹی سے گزارا جاتا ہے، کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے اور جتنا ایمان کا دعویٰ ہو، جتنا ایمان ہو، اتنی زیادہ آزمائشیں آتی ہیں۔

انبیاء کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَشَدُّ النّاسِ بَلَاءً اَلْأَنْبِيَاءُ» (طبرانی: 245)

انبیاء پر بڑی بڑی مصیبتیں آتی ہیں، تکلیفیں آتی ہیں۔

انجیل میں بھی ہے کہ

"جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے، اسے کھوئے گا، اور جو کوئی میرے لیے اپنی جان کھوتا ہے، وہ اسے بچائے گا۔"

اقبال نے بھی کہا کہ

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

مکے میں ایمان لانے کے بعد صحابہ نے ظلم و ستم کی شکایت کی۔ پوچھا کہ یہ ابتلا اور آزمائش کا دور ہم پر آیا ہے، آپ پر ایمان لانے کے بعد یہ کب ختم ہوگا؟ کیسے ختم ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا ابھی سے گھبرا گئے ہو؟ یاد کرو، پہلے ایمان والوں کی مصیبتیں اور تکلیفیں جو ان پر آئیں۔ پہلے ایمان لانے والے انبیاء کے ساتھیوں کو لوہے کے آروں سے کاٹا گیا، جیسے لکڑی کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹے جاتے ہیں۔ زندہ انسانوں کو چیرا گیا، آرے سے کاٹ کر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا اور لوہے کی کنگھیوں سے زندہ جسموں سے گوشت نوچا گیا۔ فرمایا کہ اس کے باوجود وہ لوگ استقامت اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہے۔ انہوں نے تکلیفوں کے باوجود دین کو نہیں چھوڑا۔

اسی طرح صحابہ پر بھی آزمائشیں آئیں۔ حضرت خبیب کو جلتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا گیا، خباب کو گرم ریت پر لٹایا گیا۔ بلال کو گلیوں میں گھسیٹا گیا اور اس وقت بھی وہ توحید کے نعرے لگا رہے تھے۔ یہ انہی لوگوں کا کام تھا، اتنے مصائب کو برداشت کر کے بھی دین پر قائم رہنا اور چلتے رہنا۔ ہمارے لیے تو آسان کام ہے۔ عام حالات میں جو احکام ہیں، جیسے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، خیرات دینا، عمرہ اور حج کرنا، یہ عام نیکیاں عام حالات میں آسانی سے ہو سکتی ہیں۔ ہماری آزمائش اتنی سی ہے کہ کبھی کوئی بیماری، کوئی تکلیف آ جائے تو اس پر بھی صبر کریں۔ ہم سے تھوڑے کا مطالبہ ہے، زیادہ کا نہیں۔ ان لوگوں نے تو بہت صبر سے تکلیفوں کو کاٹا، لیکن گھبراہٹ، جزع فزع، پریشانی کا اظہار یا اللہ کی شکایت کرنا کہ ہمیں کیسے حالات میں رکھا؟ یہ ان کا رویہ نہیں تھا۔ شاعر نے کہا کہ

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے، اتنا ہی وہ خاموش ہے
اے صبا، لالہ کم ظرف سے اتنا کہنا
کہ دل کی توہین ہے داغوں کا نمایاں ہونا

بہر حال دنیا آزمائش اور امتحان کا گھر ہے۔ بیماری، غربت، تنگی، موت، تکلیفوں کی شکل میں آزمائشیں آتی ہیں، جیسا کہ قرآن میں ذکر ہے کہ ایمان لانے والوں کو آزمائشوں کا زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَحَسِبَ النّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾ (سورة العنكبوت: 2)

ایمان والے یہ نہ سمجھیں کہ ایمان لانے کے بعد آزمائشیں نہیں آئیں گی۔ ایمان وہ طاقت ہے جو ہر تکلیف، ہر مصیبت اور پریشانی کو خیر، ثواب اور اللہ کی خوشنودی میں تبدیل کر دیتا ہے۔

اللہ ہمیں صبر کرنے والا اور شکر کرنے والا بنائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

☆☆☆



یاد رکھیں کہ مال و دولت بذات خود بری چیز نہیں ہے ، نہ ہی مالدار لوگ برے ہوتے ہیں، اگر یہ مال حلال آمدن سے آئے تو مال کے کئی فوائد ہیں، باقی یہ بات مسلم ہے کہ حرام آمدن سے کمایا ہوا مال وبال ہے ، مال کے ذریعے انسان کئی خیر کے کام کر سکتا ہے، دنیا و آخرت کی بھلائیوں کو سمیٹ سکتا ہے ، جنت کا سودا بھی مال کے ذریعے کر سکتا ہے۔

1۔ اسلام ترک الدنیا کی تعلیم نہیں دیتا ہے:

دیگر مذاہب کی طرح اسلام ترک دنیا کی تعلیم نہیں دیتا ہے، باقی مذاہب میں نیک اور متقی انسان اس کو کہا جاتا ہے ، جو پوری دنیا کو ترک کر کے آ کر عبادت خانے میں بیٹھ جائے ، اسلام میں یہ تعلیم نہیں ہے ، بلکہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

﴿وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾

”اور دنیا سے اپنا حصہ مت بھول۔“(القصص : 77)

اس طرح نبی کریم ﷺ کثرت کے ساتھ مندرجہ ذیل دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ ! مجھے دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب فرما۔

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (سورۃ البقرۃ : 201)

”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“

2۔ نبی کریم ﷺ کی غنیٰ کے لیے التجائیں

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ

«أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالتُّقَى وَالْعَفَافَ وَالْغِنَى» (صحیح مسلم : 2721)

”آپ ﷺ «اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالتُّقَى وَالْعَفَافَ وَالْغِنَى» دعا فرماتے تھے اے اللہ میں تجھ سے ہدایت تقوی پاکدامنی اور غنی مانگتا ہوں۔“

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

"أَنَّ مُكَاتَبًا جَاءَهُ، فَقَالَ: إِنِّي قَدْ عَجَزْتُ عَنْ كِتَابَتِي فَأَعِنِّي، قَالَ: أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ عَلَّمَنِيهِنَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ كَانَ عَلَيْكَ مِثْلُ جَبَلِ صِيرٍ دَيْنًا أَدَّاهُ اللَّهُ عَنْكَ ؟ قَالَ: قُلْ: اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ"

”ایک مکاتب غلام نے ان کے پاس آ کر کہا کہ میں اپنی مکاتبت کی رقم ادا نہیں کر پا رہا ہوں، آپ ہماری کچھ مدد فرما دیجئیے تو انہوں نے کہا: کیا میں تم کو کچھ ایسے کلمے نہ سکھا دوں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سکھائے تھے ؟ اگر تیرے پاس ’صیر‘ پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو تیری جانب سے اللہ اسے ادا فرما دے گا، انہوں نے کہا: کہو : «اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأُغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ»”اے اللہ ! تو ہمیں حلال دے کر حرام سے کفایت کر دے، اور اپنے فضل (رزق، مال و دولت) سے نواز کر اپنے سوا کسی اور سے مانگنے سے بے نیاز کر دے۔“(جامع ترمذی: 3563)

ملاحظہ : اگر مال و دولت بری چیز ہوتی تو نبی کریم ﷺ نے غنی کے لیے دعائیں نہیں کرتے ، نبی کریم ﷺ کا غنی کے لیے دعائیں کرنا یہ دلیل ہے کہ مال و دولت بری چیز نہیں ہے۔

3۔ نبی کریم ﷺ کا فقر سے پناہ مانگنا:

مسلم بن ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ، فَكُنْتُ أَقُولُهُنَّ، فَقَالَ أَبِي: أَيْ بُنَيَّ، عَمَّنْ أَخَذْتَ هَذَا، قُلْتُ: عَنْكَ، قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَقُولُهُنَّ فِي دُبُرِ الصَّلَاةِ" (سنن نسائی : 1348)

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ» ”اے اللہ میں کفر سے، محتاجی سے اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں تو میں بھی انہیں کہا کرتا تھا، تو میرے والد نے کہا: میرے بیٹے! تم نے یہ کس سے یاد کیا ہے؟ میں نے کہا: آپ سے، تو انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ انہیں نماز کے بعد کہا کرتے تھے۔“

ملاحظہ : نبی کریم ﷺ نے دعا میں کفر و فقر کو ملا دیا ہے ، اس لیے کہ فقر کفر کی طرح خطرناک ہے ، کیونکہ فقیر بندہ ایک ایک لقمے کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے، جب اپنے بچوں کو فقیر ہاتھ پھیلاتے دیکھتا ہے، تو اس سے یہ منظر کیسے برداشت ہو گا ، فقیر سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ حرام کھائے ، فقیر حلت و حرمت کا لحاظ نہیں رکھے گا۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے فقر سے پناہ طلب کی ہے۔

4۔ نبی کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے صحابہ کو

مالداری کی دعائیں:

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو مال کے حوالے سے دعائیں دی تھی۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! انس رضی اللہ عنہ آپ کا خادم ہے اس کے لیے دعا فرما دیں۔ نبی کریم ﷺ نے دعا کی تھی کہ

"اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ" "اے اللہ! اس کے مال و اولاد کو زیادہ کر اور جو کچھ تو نے اسے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔" (صحیح بخاری: 6344)

5۔ نبی کریم ﷺ کا صحابی کو مکمل مال وصیت کرنے سے روکنا

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُنِي وَأَنَا بِمَكَّةَ، وَهُوَ يَكْرَهُ أَنْ يَمُوتَ بِالْأَرْضِ الَّتِي هَاجَرَ مِنْهَا، قَالَ: يَرْحَمُ اللهُ ابْنَ عَفْرَاءَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أُوصِي بِمَالِي كُلِّهِ، قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَالشَّطْرُ، قَالَ: لَا، قُلْتُ: الثُّلُثُ، قَالَ: فَالثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ فِي أَيْدِيهِمْ، وَإِنَّكَ مَهْمَا أَنْفَقْتَ مِنْ نَفَقَةٍ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ حَتَّى اللُّقْمَةُ الَّتِي تَرْفَعُهَا إِلَى فِي امْرَأَتِكَ، وَعَسَى اللهُ أَنْ يَرْفَعَكَ فَيَنْتَفِعَ بِكَ نَاسٌ وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا ابْنَةٌ"

"نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع میں میری عیادت کو تشریف لائے، میں اس وقت مکہ میں تھا۔ نبی کریم ﷺ اس سر زمین پر موت کو پسند نہیں فرماتے تھے جہاں سے کوئی ہجرت کر چکا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ابن عفراء (سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ) پر رحم فرمائے، میں عرض کیا یارسول اللہ! میں اپنے سارے مال و دولت کی وصیت کر دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نہیں، میں نے پوچھا پھر آدھے کی کر دوں؟ آپ ﷺ نے اس پر بھی یہی فرمایا نہیں، میں نے پوچھا پھر تہائی کی کر دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تہائی کی کر سکتے ہو اور یہ بھی بہت ہے، اگر تم اپنے وارثوں کو اپنے پیچھے مالدار چھوڑو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑو کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب تم اپنی کوئی چیز (اللہ کے لیے خرچ کرو گے) تو وہ خیرات ہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے (وہ بھی خیرات ہے) اور (ابھی وصیت کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں) ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں شفاء دے اور اس کے بعد تم سے بہت سے لوگوں کو فائدہ ہو اور دوسرے بہت سے لوگ (اسلام کے مخالف) نقصان اٹھائیں ۔ اس وقت سعد رضی اللہ عنہ کی صرف ایک بیٹی تھی۔" (صحیح بخاری: 2742)

6۔ قرآن کا مال کو فضل اور خیر کہنا

1۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللهِ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (سورۃ الجمعہ: 10)

"پھر جب نماز پوری کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل سے (حصہ) تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

مندرجہ بالا آیت میں مال کو فضل کہا گیا ہے کہ جب تم جمعے کی نماز سے فارغ ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل یعنی مال تلاش کرو۔

2۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ (سورۃ البقرۃ: 180)

"تم پر لکھ دیا گیا ہے، جب تم میں سے کسی کو موت آپہنچے، اگر اس نے کوئی خیر چھوڑی ہو، اچھے طریقے کے ساتھ وصیت کرنا ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے، متقی لوگوں پر یہ لازم ہے۔"

مندرجہ بالا آیت میں مال کو خیر کہا گیا ہے، موت کے وقت خیر یعنی مال چھوڑا ہو تو وہ وصیت کرے۔

7۔ مال: اعانت کا مؤثر وسیلہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا﴾

"اور وہ مالوں اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد کرے گا اور تمھیں باغات عطا کرے گا اور تمھارے لیے نہریں جاری کر دے گا۔" (سورۃ نوح: 12)

8۔ مال کی حفاظت پر شہادت کا درجہ:

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ" (صحیح بخاری: 2480) "جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے۔"

9۔ کمانے والا، شریعت کی نظر میں معزز

یاد رکھیں کہ مال انسانی ضرورت ہے اور مال مقاصد شریعہ میں سے ہے، آپ کا کھانا پینا، علاج معالجہ اور تعلیم مال سے وابستہ ہے، اس لیے ہر انسان کا اتنا مال کمانا واجب ہے کہ اس مال سے اس کی ضرورتیں پوری ہوں۔ وہ اپنی، بچوں کی اور گھر والوں کی ضروریات احسن درجے سے مکمل کر سکے۔ اس لیے شریعت کمانے والے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ أَحْبُلَهُ، فَيَأْتِيَ الْجَبَلَ، فَيَجِيءَ بِحُزْمَةِ حَطَبٍ عَلَى ظَهْرِهِ فَيَبِيعَهَا فَيَسْتَغْنِيَ بِثَمَنِهَا، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ أَعْطَوْهُ، أَوْ مَنَعُوهُ"

"اگر تم میں سے کوئی اپنی رسی لے اور پہاڑ پر جا کر ایک گٹھا لکڑیوں کا اپنی پیٹھ پر لادے، اور اس کو بیچ کر اس کی قیمت پر قناعت کرے، تو یہ اس کے لیے لوگوں کے سامنے مانگنے سے بہتر ہے کہ لوگ دیں یا نہ دیں۔" (سنن ابن ماجہ: 1836)

دیکھیں کہ اگر مانگنے پر دیا جائے تو مانگنے والی کی ایک ذلت ہوئی، اور نہ دیا جائے تو دوہری ذلت مانگنے والی کی، اور مانگنے پر نہ ملنے کی، بر خلاف اس کے اپنی محنت سے کمانے میں کوئی ذلت نہیں اگرچہ مٹی ڈھو کر یا لکڑیاں چن کر اپنی روزی حاصل کرے، یہ جو مسلمان خیال کرتے ہیں کہ پیشہ یا محنت کرنے میں ذلت اور ننگ و عار ہے، یہ سب شیطانی وسوسہ ہے، اس سے زیادہ ننگ و عار اور ذلت و رسوائی سوال کرنے اور ہاتھ پھیلانے میں ہے، بلکہ پیشے اور محنت میں گو وہ کتنا ہی حقیر ہو بشرطیکہ شرع کی رو سے منع نہ ہو کوئی ذلت نہیں ہے۔

10۔اسلام کی نظر میں سوال کرنا معیوب

اسلام نے سوال کرنے والے کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے، بلکہ اس کو معیوب سمجھا ہے، اس لیے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچنا چاہیے، نبی کریم ﷺ نے بھی سوال کرنے اور ہاتھ پھیلانے سے منع فرمایا ہے۔

1۔سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ يَتَقَبَّلُ لِي بِوَاحِدَةٍ، وَأَتَقَبَّلُ لَهُ بِالْجَنَّةِ، قُلْتُ: أَنَا، قَالَ: لَا تَسْأَلِ النَّاسَ شَيْئًا، قَالَ: فَكَانَ ثَوْبَانُ يَقَعُ سَوْطُهُ وَهُوَ رَاكِبٌ، فَلَا يَقُولُ لِأَحَدٍ نَاوِلْنِيهِ، حَتَّى يَنْزِلَ فَيَأْخُذَهُ" (سنن ابن ماجہ: 1837)

"کون میری ایک بات قبول کرتا ہے؟ اور میں اس کے لیے جنت کا ذمہ لیتا ہوں، میں نے عرض کیا: میں قبول کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو، چنانچہ ثوبان رضی اللہ عنہ جب سواری پر ہوتے اور ان کا کوڑا نیچے گر جاتا تو کسی سے یوں نہ کہتے کہ میرا کوڑا اٹھا دو، بلکہ خود اتر کر اٹھاتے۔"

یہ ایمان و توکل علی اللہ کا بڑا اعلیٰ درجہ ہے حالانکہ اس قسم کا سوال مباح اور جائز ہے، مگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان بڑی تھی انہوں نے مخلوق سے مطلقاً سوال ہی چھوڑ دیا، صرف خالق سے سوال کرنے ہی کو بہتر سمجھا ہے۔

2۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

"مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا، فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرَ جَهَنَّمَ، فَلْيَسْتَقِلَّ مِنْهُ، أَوْ لِيُكْثِرْ"

"جس نے لوگوں سے مال بڑھانے کے لیے مانگا، تو وہ جہنم کے انگارے مانگتا ہے، چاہے اب وہ زیادہ مانگے یا کم مانگے۔" (سنن ابن ماجہ: 1838)

11۔نبی کریم ﷺ کا مالی پس منظر

نبی کریم ﷺ خود تاجر اور مالدار تھے، نبی کریم ﷺ کی شادی مالدار عورت سے ہوئی تھی، مکہ میں نبی کریم ﷺ مالدار ہی تھے، باقی یہ بات ہے کہ آپ ﷺ نے جب ہجرت کی تھی، تو ہجرت کے بعد چند سال بڑے مشکل سے گذرے، ظاہر کہ اتنے لوگ جنہوں نے اپنے گھر و مال اللہ کی رضامندی کے لیے چھوڑ دیے ہوں، ان کو سنبھلنے میں وقت لگ سکتا ہے، مدینہ میں ابتدائی ایام بڑے مشکل تھے، خیبر کے بعد مسلمان آسودہ حال ہوگئے تھے، نبی کریم ﷺ کے لیے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ، مال فیء اور باغ فدک بھی تھا۔ معلوم یہ ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ مالدار تھے۔ نبی کریم ﷺ کی نو بیویاں تھی، ان تمام کا خرچہ نبی کریم ﷺ کی ذمے داری تھی۔ پھر نبی کریم ﷺ کا ماہ رمضان میں تیز آندھی کی طرح خرچ کرنا، یہ تمام دلائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مال سے نوازا تھا، لیکن آپ ﷺ سب اللہ کے راستے میں لوٹا دیتے تھے۔

12۔مال سخاوت کا وسیلہ

یاد رہے کہ مال سخاوت کا ایک اہم ذریعہ ہے، مالدار انسان فقیر کے مقابلے میں کئی نیکیاں سمیٹ سکتا ہے، مثلاً: مالدار انسان خود بھی روزہ رکھے اور شام کے وقت تیس بندوں کو افطاری کروائے تو اس نے گویا خود کے روزے کے علاوہ تیس روزوں کا ثواب کمایا ہے۔ اس کے علاوہ کئی ایسے مواقع موجود ہیں، جن کے ذریعے مالدار اپنے نامہ اعمال کو نیکیوں سے بھر سکتا ہے۔ سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا" (جامع ترمذی: 807)

"جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا تو اسے بھی اس کے برابر ثواب ملے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں سے ذرا بھی کم کیا جائے۔"

14۔مال کے ذریعے جنت کی خریداری

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ 0 تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ

وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا میں تمھاری ایسی تجارت کی طرف رہنمائی کروں جو تمھیں دردناک عذاب سے بچالے؟ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔"(سورۃ الصف:10-11)

14۔ دیندار کے ہاتھوں میں دولت، امت کی بھلائی

معاشرے میں مال دینداروں کے پاس ہونا ضروری ہے، دیندار لوگوں کی معیشت اچھی ہونی چاہیے، کیونکہ دینداروں کے ہاتھ میں مال کے کئی اجتماعی فوائد ہیں، اور وہی مال کے حقیقی محافظ ہیں، اس سے معاشرہ خوشحال رہے گا، صاحب نصاب زکاۃ فقراء کو ادا کریں گے، مال فضولیات اور غلط کاموں میں استعمال نہیں ہوگا، بلکہ دیندار مال مدارس، مساجد اور فقراء پر صرف کریں گے، جس طرح صحابہ کرام نے مال اللہ کے راستے خرچ کیا تھا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«قَدِمَ عَلَيْنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَآخَى رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ وَكَانَ كَثِيرَ الْمَالِ، فَقَالَ سَعْدٌ: قَدْ عَلِمَتْ الْأَنْصَارُ أَنِّي مِنْ أَكْثَرِهَا مَالًا سَأَقْسِمُ مَالِي بَيْنِي وَبَيْنَكَ شَطْرَيْنِ، وَلِي امْرَأَتَانِ فَانْظُرْ أَعْجَبَهُمَا إِلَيْكَ فَأُطَلِّقُهَا حَتَّى إِذَا حَلَّتْ تَزَوَّجْتَهَا، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: بَارَكَ اللهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ فَلَمْ يَرْجِعْ يَوْمَئِذٍ حَتَّى أَفْضَلَ شَيْئًا مِنْ سَمْنٍ وَأَقِطٍ، فَلَمْ يَلْبَثْ إِلَّا يَسِيرًا حَتَّى جَاءَ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَعَلَيْهِ وَضَرٌ مِنْ صُفْرَةٍ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَهْيَمْ، قَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: مَا سُقْتَ فِيهَا، قَالَ: وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، أَوْ نَوَاةً مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ.

"جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آئے تو) رسول اللہ ﷺ نے ان کے اور سعد بن ربیعؓ کے درمیان بھائی چارہ کرا دیا۔ سعد رضی اللہ عنہ بہت دولت مند تھے، انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا: انصار کو معلوم ہے کہ میں ان میں سب سے زیادہ مالدار ہوں اس لیے میں اپنا آدھا آدھا مال اپنے اور آپ کے درمیان بانٹ دینا چاہتا ہوں اور میرے گھر میں دو بیویاں ہیں جو آپ کو پسند ہو میں اسے طلاق دے دوں گا اس کی عدت گزر جانے پر آپ اس سے نکاح کرلیں۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تمہارے اہل ومال میں برکت عطا فرمائے، (مجھ کو اپنا بازار دکھلا دو) پھر وہ بازار سے اس وقت تک واپس نہیں آئے جب تک کچھ گھی اور پنیر بطور نفع بچا نہیں لیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وہ حاضر ہوئے تو جسم پر زردی کا نشان تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ بولے کہ میں نے ایک انصاری خاتون سے شادی کرلی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا مہر کیا دیا ہے؟ بولے ایک گٹھلی کے برابر سونا یا (یہ کہا کہ) سونے کی ایک گٹھلی دی ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا اچھا اب ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی سے ہو۔"(صحیح بخاری: 3781)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَكْثَرَ الْأَنْصَارِ بِالْمَدِينَةِ مَالًا مِنْ نَخْلٍ، وَكَانَ أَحَبُّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ، وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيهَا طَيِّبٍ، قَالَ أَنَسٌ: فَلَمَّا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ [آل عمران: 92] قَامَ أَبُو طَلْحَةَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ [آل عمران: 92] وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءَ، وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلَّهِ أَرْجُو بِرَّهَا، وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللهِ فَضَعْهَا يَا رَسُولَ اللهِ حَيْثُ أَرَاكَ اللهُ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: بَخٍ ذَلِكَ مَالٌ رَابِحٌ ذَلِكَ مَالٌ رَابِحٌ، وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ: وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ، فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ وَبَنِي عَمِّهِ" (صحیح بخاری: 1461)

"ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ اپنے کھجور کے باغات کی وجہ سے۔ اور اپنے باغات میں سب سے زیادہ پسند انہیں بیرحاء کا باغ تھا۔ یہ باغ مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ اس میں تشریف لے جایا کرتے اور اس کا میٹھا پانی پیا کرتے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

"لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون"

یعنی تم نیکی کو اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک تم اپنی پیاری سے پیاری چیز نہ خرچ کرو، یہ سن کر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس وقت تک نیکی کو نہیں پاسکتے جب تک تم اپنی پیاری سے پیاری چیز نہ خرچ کرو۔ اور مجھے بیرحاء کا باغ سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اس لیے میں اسے اللہ تعالیٰ کے لیے خیرات کرتا ہوں۔ اس کی نیکی اور اس کے ذخیرہ آخرت

ہونے کا امیدوار ہوں۔ اللہ کے حکم سے جہاں آپ ﷺ مناسب سمجھیں اسے استعمال کیجئے۔ راوی نے بیان کیا کہ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خوب! یہ تو بڑا ہی آمدنی کا مال ہے۔ یہ تو بہت ہی نفع بخش ہے ۔ اور جو بات تم نے کہی میں نے وہ سن لی۔ اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اسے اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو دے ڈالو۔ ابو طلحہؓ نے کہا۔ یارسول اللہ! میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا کے لڑکوں کو دے دیا۔“

15۔اسلام کی تقویت میں مالی تعاون کا کردار

دین اسلام میں جہاں صحابہ کی صداقت اور شجاعت کام آئی وہاں صحابہ کا مال بھی کام آیا تھا، کیونکہ بغیر معیشت کے جنگیں نہیں لڑی جاتی ہیں ، بدر ، احد ، احزاب اور تبوک ان سب میں مال صرف ہوا تھا ، کیونکہ جنگ میں مجاہدین کے لیے اسلحہ ، سواری اور کھانے پینے کا بندوست کرنا یہ سب مال و دولت سے ہوتا ہے ، ان تمام جنگوں کے اندر صحابہ کرام نے اپنے مال کو خرچ کیا تھا، آج بھی دین اسلام کو تقویت دینے لیے مال صرف کرنے کی ضرورت ہے، مدارس و مساجد اور علماء پر مال صرف کیا جائے تاکہ یہ لوگ دین کے محافظ بنیں۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

"جَاءَ عُثْمَانُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِأَلْفِ دِينَارٍ، قَالَ الْحَسَنُ بْنُ وَاقِعٍ: وَكَانَ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ مِنْ كِتَابِي فِي كُمِّهِ حِينَ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَيَنْثُرُهَا فِي حِجْرِهِ، قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُقَلِّبُهَا فِي حِجْرِهِ وَيَقُولُ: مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ" (جامع ترمذی: 3701)

”سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک ہزار دینار لے کر آئے، (حسن بن واقع جو راوی حدیث ہیں کہتے ہیں: دوسری جگہ میری کتاب میں یوں ہے کہ وہ اپنی آستین میں لے کر آئے)، جس وقت انہوں نے جیش عسرہ کو تیار کیا، اور اسے آپ کی گود میں ڈال دیا، میں نبی اکرم ﷺ کو اسے اپنی گود میں الٹتے پلٹتے دیکھا اور یہ کہتے سنا کہ آج کے بعد سے عثمان کو کوئی بھی برا عمل نقصان نہیں پہنچائے گا، ایسا آپ نے دوبار فرمایا۔“

16۔جب مال بے دین کے ہاتھ میں ہو

جب معاشرے میں بے دین لوگ مالدار بنیں گے تو اس کا معاشرے کو بڑا نقصان ہوگا، برائیوں کو فروغ ملے گا، مال فضولیات، عیش وعشرت پر صرف ہوگا۔ بلکہ وہ مال کے ذریعے فخر محسوس کریں گے، فقراء و مساکین کو اہمیت نہ دیں گے، جس طرح قارون کے پاس مال تھا، لیکن اس مال کا موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا، وجہ یہ تھی کہ وہ بے دین اور سرمایہ دار منافق تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ﴾ (سورۃ القصص : 76)

”بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا، پس اس نے ان پر سرکشی کی اور ہم نے اسے اتنے خزانے دیے کہ ان کی چابیاں ایک طاقت ور جماعت پر بھاری ہوتی تھیں۔ جب اس کی قوم نے اس سے کہا مت پھول، بے شک اللہ پھولنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔“

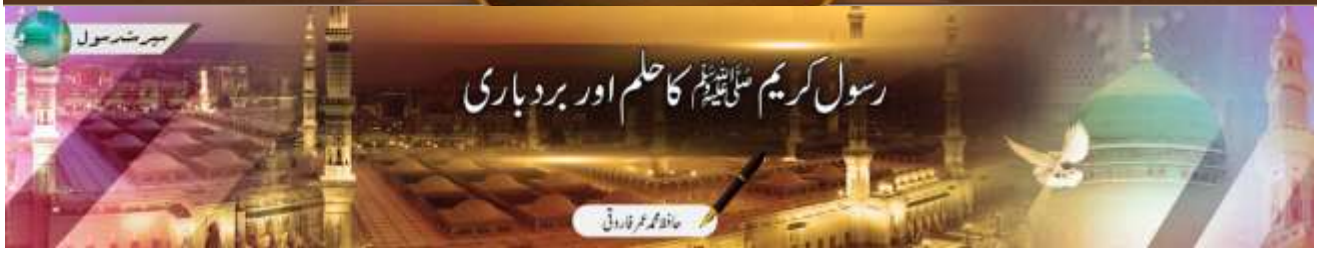
☆☆☆

دشت کربلا

میری زباں پہ رب محمدؐ کا نام ہے
اور شغل خاص اپنا یہی صبح و شام ہے
کتنا بلند ابن علیؓ کا مقام ہے
دنیا کا پیشوا ہے تو دیں کا امام ہے
خیر و فلاح و امن و اماں کا پیام ہے
اسلام کا نظام ، مبارک نظام ہے
وہ فاطمہ کا لال جو ماہِ تمام ہے
پور علی و سبط رسول انام ہے
ہر اک شقی جو کیفر کردار پا گیا
اللہ کا انتقام بھی کیا انتقام ہے
جس نے سر اپنا کفر کے آگے جھکا دیا
کیا آبرو ہے اس کی وہ بے ننگ و نام ہے
شیر خدا کا لختِ جگر شیر کربلا
مسند نشین محفل دار السلام ہے
گلگونہ جس کو خونِ شہادت کا مل گیا
وہ سرخرو ہے اس کو ثبات و دوام ہے
اس کا جواب کوئی نہ لایا نہ لائے گا
لاریب بے مثال ، خدا کا کلام ہے
رندانِ معرفت کو تامل ہے کس لئے
جب بادۂ طہور ہے ، ساقی ہے جام ہے
اب دشتِ کربلا ہے ہر اک خطۂ جہاں
اور صبح زندگی ہے کہ مغلوب شام ہے
باطل نے ظلم کا اگر آغاز کر دیا
شمشیر حق بھی ، اپنی جگہ بے نیام ہے
کیجئے طواف روح کبھی رقص جاں کبھی
دار و رسن تو عشق کا بیت الحرام ہے
حاجت ہے آج بھی کسی شبیرِ وقت کی
ریگِ فرات دیر سے پھر تشنہ کام ہے
کٹ جائے سر جھکے نہ وہ باطل کے سامنے
اعلیٰ مقام سید عالی مقام ہے
حماد بے نوا وہ غلام اہل بیت کا
گرویدہ حسینؓ رفیع احترام ہے

ابولبیان حماد

☆☆☆



رسول کریم ﷺ کا حلم اور بردباری

حافظ محمد عمر فاروقی

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ﴾

(سورۃ آل عمران:159)

ہر طرح کی تعریف وثنا ، اللہ رب العالمین کے لیے، درود وسلام سرور انبیاء محمد مصطفی، احمد مجتبیٰ ﷺ کے لیے۔ مؤمن میں جو اچھائیاں، جو خوبیاں اور صفات ہونی چاہئیں، خطبات میں ان کا ذکر چل رہا ہے۔ ان میں سے ایک ہے، حِلم یعنی نرمی، جلدی غصے اور اشتعال میں نہ آنا۔ اس کو حلم کہتے ہیں۔ اس کا Opposite، اس کا الٹ ہے غصہ، غضب۔

نرمی کو عربی میں 'رِفق' بھی کہا جاتا ہے۔ سختی کی بجائے طبیعت میں نرمی پسند کی گئی ہے۔

اسی حوالے سے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ نے فرمایا کہ

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ﴾ (سورۃ آل عمران:159)

اللہ کا آپ پہ فضل ہے، رحمت ہے، کرم ہے، جس کی وجہ سے آپ نرم دل ہیں، نرم طبیعت اور حلم والے ہیں، نرمی والے ہیں، سختی والے نہیں۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (سورۃ آل عمران:159)

اگر آپ سخت دل اور سخت گو یعنی سخت بات کرنے والے ہوتے تو پھر یہ صحابہ کا جو ہجوم، پروانہ وار آپ پہ نثار ہونے کو تیار رہتا ہے، یہ جو آپ سے شدید دلی محبت کرتے ہیں، یہ کیفیت نہ ہوتی۔ لوگ آپ کی سختی کی وجہ سے فاصلے پر رہتے، دور رہتے، قریب نہ آتے، اور اس طرح پروانہ وار آپ کے جان نثار نہ ہوتے۔ نرمی ان صفات میں سے ہے، جو اللہ نے مؤمن کے اندر ہونی پسند کی ہے۔

حضرت انس ؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَامِنْ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْحِلْمِ»

(مسند أبي يعلى:7/ 247)

اللہ کے نزدیک انتہائی پسندیدہ چیز حلم ہے، یعنی نرمی اور غضب اور غصے سے بچنا۔ اللہ کو یہ بہت پسند ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے بخاری میں روایت ہے ، آپ ﷺ سے نصیحت کے لیے کہا گیا ۔ نبی کریم ﷺ سے فرمائش کی گئی کہ کوئی خاص نصیحت فرمایئے، خاص قسم کی ہو، اس پر میں عمل کروں۔

فرمایا:

أَوْصِنِي، قالَ: «لا تَغْضَبْ. فَرَدَّدَ مِرارًا»، قالَ: «لا تَغْضَبْ» (صحیح بخاری:6116)

دو لفظوں میں فرمایا: غصے میں نہ آیا کرو، غصے کو کنٹرول کیا کرو۔

پوچھنے والے نے بار بار کہا، کوئی اور نصیحت؟ لیکن نبی کریم ﷺ انہی الفاظ کو دہراتے رہے۔ جب بھی اس نے کہا کوئی اور نصیحت، آپ ﷺ نے کہا: بس ایک ہی نصیحت ہے، غصے کو کنٹرول کرو۔

آپ ہر ایک کو اس کی طبیعت کے مطابق مشورہ اور حکم دیتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں غصہ زیادہ ہو، لیکن یہ نصیحت صرف کسی خاص آدمی کے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے تھی۔

حدیث نبوی ہے:

«ليسَ الشَّدِيدُ بالصُّرَعَةِ، إنَّما الشَّدِيدُ الذي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الغَضَبِ»

پہلوان، قوی، طاقتور وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دیتا ہے یا گرا دیتا ہے، ان پر جسمانی طور پر غالب آتا ہے، بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو سنبھال سکتا ہے، اپنے آپ پر ضبط کر سکتا ہے اور اپنے غصے کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ (صحیح بخاری:6114)

غصے کے وقت سب سے پہلے اور سب سے زیادہ جو چیز چلتی ہے، وہ زبان ہے۔ زبان سے برا بھلا کہا جاتا ہے اور پھر ہاتھ یا دیگر چیزیں استعمال ہوتی ہیں۔

اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

«طُوبى لِمَن مَلَكَ لِسانَه.» (الطبراني:3/21)

خوشخبری ہے اس کے لیے، جو اپنی زبان پر کنٹرول رکھتا ہے۔

غصے پر قابو پانے کے لیے زبان پر کنٹرول ضروری ہے۔ خوشخبری کس چیز کی؟ آخرت کی کامیابیوں کی، اللہ کی خوشنودی کی۔ خوشخبری کس کو؟ اس کو جو غصے میں اور ہر حال میں اپنی زبان کو قابو میں رکھتا ہے، زبان کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ گالی گلوچ کرے، کسی کی بے جا توہین کرے یا کسی کی دل آزاری کرے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے اپنے رشتہ داروں کی شکایت کی:

«أَصِلُهُمْ وَيَقْطَعُونِي، وَأُحْسِنُ إليهِم وَيُسِيؤُونَ إلَيّ، وَأَحْلُمُ عنْهمْ وَيَجْهَلُونَ عَلَيّ، فَقالَ: لَئِنْ كُنْتَ كما قُلْتَ، فَكَأنَّما

تُسِفُّهُمُ المَلّ وَلا يَزالُ مَعَكَ مِنَ اللهِ ظَهِيرٌ عَلَيْهِمْ مَا دُمْتَ عَلَى ذَلِكَ» (صحیح مسلم: 2558)

"میں ان سے اچھا سلوک کرتا ہوں اور وہ رشتوں کو کاٹتے ہیں۔ میں ان سے نرمی کرتا ہوں اور وہ مجھ پر سختی کرتے ہیں۔"

میں اچھا سلوک کرتا ہوں وہ تکلیف دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر تو اسی طرح کرتا رہے، ان کی برائی کے مقابلے میں اچھائی کرتا رہے اور ان کی سختی کے جواب میں نرمی کرتا رہے تو اللہ اپنی طرف سے تیرے لیے ان کے خلاف ایک مددگار کھڑا کر دے گا اور وہ تیری مدد کرے گا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک نبی کا ذکر فرمایا ، جنہیں ان کی قوم نے مارا پیٹا، زخمی کر دیا اور خون نکال دیا، لیکن اس نبی نے دعا کی:

«رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فإنّهُمْ لا يَعْلَمُونَ» (صحیح بخاری: 6929)

"یا اللہ، یہ میری قوم ہے، انہیں سمجھ نہیں آ رہی۔ انہیں عذاب سے محفوظ فرما۔"

یہی نبی کا جواب تھا، تشدد کے مقابلے میں۔ نبی کریم ﷺ کا بھی یہی طریقہ تھا، نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد۔ بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک بدو آیا۔ بدو اکثر اکھڑ مزاج اور غصے والے ہوتے تھے۔ حلم، برداشت اور نرمی سے دور، لیکن آپ ﷺ نے نرمی سے انہیں سنبھالا اور برداشت سے کام لیا۔ ایک موقع پر ایک بدو نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ دیکھا، آپ کے کندھے یا گلے میں موجود چادر کو پکڑ کر کھینچنے لگا اور سختی سے کہا:

مُرْ لي مِن مالِ اللهِ الذي عِنْدَكَ (صحیح بخاری: 3149)

"جو اللہ کا مال تیرے پاس ہے، وہ صرف تیرا نہیں، مجھے اس میں سے حصہ دیں۔" آپ ﷺ نے نرمی کا مظاہرہ کیا، بدو کی اس گستاخی پر آپ ہنس پڑے اور صحابہ کو فرمایا:

"اسے دے دو، جو یہ مانگ رہا ہے، وافر مقدار میں دے دو۔" یہ آپ کی نرمی اور حوصلے اور حلم کی مثال تھی۔

اسی طرح ایک اور موقع پر آپ کا حلم دیکھئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے آپ ﷺ کو قرض دے رکھا تھا۔ کچھ عرصہ گزر جانے پر وہ تقاضا کرنے آیا اور سخت الفاظ میں مطالبہ کرنے لگا۔ آپ ﷺ کے قریب موجود صحابہ کو یہ بدتمیزی برداشت نہ ہوئی اور وہ اسے سزا دینے کے لیے آگے بڑھے، لیکن آپ ﷺ نے انہیں روک دیا اور فرمایا:

"یہ حق دار ہے، قرض خواہ ہے، اس کا حق ہے کہ تقاضا کرے، اگر ہم وقت پر نہ دے سکے اور اگر اس نے کچھ سخت الفاظ کہے ہیں، تو وہ اس کا معاملہ ہے۔"

یہ آپ کے صبر اور عظیم اخلاق کی عکاسی کرتا ہے کہ سخت رویے کے جواب میں بھی نرمی اور حوصلے سے پیش آئے تھے۔ ایسے آپ کے کئی واقعات ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں حجرے میں تھیں کہ باہر کچھ یہودی نبی کریم ﷺ سے ملنے کے لیے آئے۔ انہوں نے "السلام علیکم" کی بجائے لفظ بدل کر سام علیکم کہا، جیسا کہ قرآن میں بھی ان کی ایک مثال دی گئی ہے کہ کسی کی بات آپ سے ہو اور آپ کو سمجھ نہ آئے یا آپ سن نہ سکیں، تو آپ اپنی زبان میں کہتے ہیں ، معاف کیجیے، آپ نے کیا فرمایا تھا؟ اسی طرح عربی میں کہا جاتا ہے : ہمارا خیال رکھیں، ہم نے آپ کی بات سنی نہیں۔" یہودیوں نے الفاظ بدل کر "نعوذ باللہ" کہا ، راعنا اور "تم ہمارے چرواہے ہو" جیسے الفاظ استعمال کیے۔

انہوں نے "السلام علیکم" میں السلام کی بجائے لفظ بدل کر 'سام' کہا ، رسول کریم ﷺ نے جواب وعلیکم کہہ دیا کہ جو تم میرے لئے کہہ رہے وہی تم پر، لیکن اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غصے میں آ کر سخت الفاظ استعمال کیے اور کہا:

"تم پر موت ہو اور تم پر لعنت ہو!" بعد میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"تم نے اتنے سخت الفاظ کیوں استعمال کیے؟"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"آپ نے سنا نہیں وہ کیا کہہ رہے تھے؟" آپ ﷺ نے فرمایا:

«إنّ اللهَ رَفيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ» (صحیح بخاری: 6927)

"اللہ تعالیٰ خود بھی نرم ہیں اور ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتے ہیں۔" یہ نرمی ہی تھی جو آپ ﷺ کے اخلاق کی بنیاد تھی۔

آپکا جو عفو و کرم دشمنوں تک کے لیے تھا، وہ دوستوں کے لیے تو تھا ہی، دشمنوں کے لیے بھی مہربانیاں تھیں، عفو و کرم تھا، معافیاں تھیں، اس کی بنیادی وجہ آپ کی نرمی تھی۔ آپ دشمنوں کو بھی دعاؤں سے نوازا کرتے۔

دوستوں تک ہی نہ محدود رہا تیرا کرم

تو ان واقعات میں یہی نرمی اصل وجہ تھی۔ ان کو بار بار معاف کرنے کی اور ان کی سخت ترین غلطیوں کو نظر انداز کرنے کی۔ ان کی زیادتیوں کو معاف کرنے کی، کئی دفعہ ایسا ہوا، طائف کے سفر میں جو آپ کے ساتھ بدسلوکی کی گئی اور سرداروں کی طرف سے کرائی گئی خود بھی انہوں نے بدتمیزی کی، توہین آمیز الفاظ استعمال کیے اور پھر اوباش لڑکوں کو آپ

کے پیچھے لگایا، جو پتھر مارتے تھے، گالیاں دیتے تھے، تو اس حال میں بھی جب آپ زخمی تھے پتھروں کی بوچھاڑ تھی، گالیاں تھی، دشنام تھا تو اللہ تعالیٰ نے ملک الجبال فرشتے کو بھیجا جو پہاڑوں پر مقرر ہے، اس نے کہا کہ

"إنْ شِئْتَ أنْ أُطْبِقَ عليهمُ الأَخْشَبَيْنِ، فقالَ النَّبيُّ ﷺ: بَلْ أرْجُو أنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِن أصْلابِهِمْ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ وحْدَهُ لا يُشْرِكُ به شيئًا." (صحیح بخاری:3231)

آپ حکم فرمائیں، اگر آپ چاہتے ہیں تو یہ دو پہاڑ جو شہر کے دائیں بائیں، آگے پیچھے کھڑے ہیں، ان دونوں کو آپس میں، میں ملا دیتا ہوں، ان کے درمیان میں جو کچھ ہے سب پس جائے گا، سب ختم ہو جائے، آپ کا جواب کیا تھا؟ فرمایا: میری خواہش تو یہ ہے، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ یہ باقی رہیں، یہ نہیں تو ان کی اولادیں ہی ایمان لے آئیں گی۔ میں ان کا ایمان چاہتا ہوں، ان کی تباہی نہیں چاہتا، ان کی نجات چاہتا ہوں۔ ان کا دوزخ سے بچنا چاہتا ہوں۔ ان کی بربادی نہیں چاہتا۔ اس حوالے سے ایک عمومی بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے بارے میں کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

خیبر کے موقع پہ آپ نے سنا ہو گا کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو ایک یہودی عورت نے کہا، جی اللہ نے آپ کو کامیابی دی ہے، فتح دی ہے، چلو ہم مغلوب ہو گئے ہیں تو میں آپ کی دعوت کرنا چاہتی ہوں، اس کے دل میں بغض تھا، نفرت تھی، لہٰذا غضب یہ تھا کہ یہ ہم کو ہرا کے کامیاب ہوئے۔ تو اس نے کھانے کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ نبی کریم ﷺ نے ایک آدھ لقمہ لیا، لقمے نے خود بول کر بتایا تو آپ نے ﷺ چھوڑ دیا۔ ایک صحابی نے ذرا دو تین لقمے جلدی سے لے لیے تھے۔ وہ فوت ہو گیا۔ زہر نے اثر کیا تو فوت ہو گیا۔ آپ ﷺ نے کہا کہ میں اپنے حوالے سے اس کو سزا نہیں دوں گا، لیکن میرا ایک ساتھی جو قتل ہوا۔ اس کی سزا اسے ملے گی۔ اس وقت اپنے حوالے سے کوئی سزا نہیں دی۔ تو یہ بیان ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ آپ نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا۔

آج ایک تو بات کرنی تھی، حلم کی، نرمی، شفقت، غصے، غضب کو دبانے اس پر قابو پانے کی، لوگوں سے نرمی سے پیش آنے کی، اور دوسری بات تھوڑی سی اور کرنی ہے ایک اور صفت کی اور ایک ضروری صفت جو مؤمن میں ہونی چاہیے، وہ ہے حیا اور شرم، مؤمن باحیا ہوتا ہے، اس میں حیا ہوتی ہے۔ یہ حیا اوپر سے آتی ہے اللہ کے انبیاء بھی شرم والے تھے، حیا والے، اللہ بھی حیا والا ہے، خود مثلاً دعا کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ رب کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، اس سے کچھ مانگنے کے لیے، دعا کرنے کے لیے تو فرمایا:

«إنّ رَبّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيمٌ» (مستدرک حاکم: 1/675)

تو سن لو کہ تمہارا رب حیا والا اور کرم والا ہے، اسے یہ اٹھے ہوئے ہاتھ خالی لوٹاتے ہوئے شرم آتی ہے، وہ بھی حیا والا ہے خود بھی۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے میزبان تھے لیکن بہت کم حدیثیں انہوں نے روایت کی ہیں، ان میں سے ایک حدیث ترمذی میں ہے۔

«أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْـمُرْسَلِينَ اَلْحَيَاءُ وَالتَّعطرُ وَالسِّواكُ والنِّكاحُ» (جامع ترمذي: 1080)

چار باتیں تمام انبیاء کی سنت ہیں، چار باتیں تمام انبیاء ان پر عمل کرتے ہیں، ان میں سے پہلی بات آپ نے یہ کی کہ تمام انبیاء باحیا تھے، شرم و حیا والے تھے، حیا کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

ابھی میں نے کہا کہ کئی صحابی آپ سے خاص نصیحتیں طلب کرتے تھے کہ جی کوئی ایک بات بتا دیں، میں ساری عمر اس پہ عمل نہیں چھوڑوں گا، تو سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے بھی ایک دفعہ کہا، آپ سے کہ مجھے نصیحت کریں، تو جیسے میں نے کہا کہ ہر ایک کی طبیعت کے مطابق اس کے حالات کے مطابق، اس کی نبض، پہچان کے آپ اس کو مشورے دیتے تھے یا نصیحتیں کرتے تھے تو اس کو آپ ﷺ نے یہ بتایا جو اگرچہ جنرل بات ہے سب کے لیے، لیکن خاص اس کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِسْتَحْيِ مِنَ اللهِ» (الجامع الصغیر: 965)

میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ سے حیا کیا کرو، اللہ سے حیا کیا کرو، اس لیے ایک جگہ آپ نے یہ بھی فرمایا: «إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ» (صحیح بخاری: 3483)

جب حیا نہ ہو تو پھر بندہ جو مرضی کرتا رہے اسے پروا نہیں ہوتی، حیا یہ ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ اللہ کیا کہے گا؟ اگر میں نے یہ غلط کام کیا تو قیامت کو کیا گزرے گی؟، یہ حیا ہے اور جب حیا ختم ہو جائے تو پھر جو مرضی کرتے رہو۔ پھر نہ لوگوں کی پرواہ ہوتی ہے نہ اللہ کی پروا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

«اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ» (صحیح بخاری: 24)

"اور ایمان حیا ایمان کا حصہ ہے ایمان کا ثبوت ہے۔"

«وَالبَذاءُ مِنَ الْجَفاءِ والجَفاءُ في النّارِ» (صحیح ابن حبان: 608)

اور بے حیائی اور بد زبانی یہ ظلم ہے اور ظلم کا انجام جہنم ہے۔ حیا ایمان کا حصہ ہے اور بے حیائی اور بد زبانی ظلم ہے اور ظلم جہنم تک لے جاتا ہے۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے:

«والْحَيَاءُ شعبةٌ مِنَ الإيمانِ» (صحیح بخاری: 9)

حیا ایمان کا حصہ ہے، ایک Branch ہے ایمان کی، ضروری Branch ہے۔

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، مستدرک حاکم میں ہے:

«و اَلْحَيَاءُ والإيمانُ قُرِنَا جَميعًا، فَإذا رُفِعَ أَحَدُهُما رُفِعَ الآخَرُ» (مستدرک حاکم:58)

اللہ تعالیٰ نے حیا اور ایمان کو اکٹھا رکھا ہے، جس دل میں ایمان ہے، اس میں حیا بھی ہوتی ہے، جس میں حیا ہے، اس میں ایمان بھی ہوتا ہے، دونوں کو اللہ نے اکٹھا رکھا ہے، ایک کو نکال دیں تو دوسری بھی نکل جاتی ہے، حیا کو نکالیں گے تو ایمان نکل جائے گا، ایمان کو نکالیں گے، حیا نکل جائے گا۔

اسی طرح حیا کے بارے میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ صحیح بخاری میں بیان کرتے ہیں :

«اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ» (صحیح بخاری:6117)

حیا جب بھی لاتی ہے، خیر ہی لاتی ہے یعنی حیا کا نتیجہ و انجام جب بھی ہوتا ہے، اچھا ہی ہوتا ہے، برا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: «وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ» (جامع ترمذی: 1974)

جس چیز یا جس بندے میں حیا ہو گی، وہ اس کو زینت دے گی، وہ اس کو زینت عطا کرے گی، اچھائی عطا کرے گی اور اچھا بنائے گی، حیا والا بندہ اچھا ہوتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صحیح بخاری میں بیان کرتے ہیں :

«أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ العَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا»

کنواری لڑکی سے زیادہ حیا تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں، آپ حیا مجسم تھے۔ (صحیح بخاری:6119)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ آپ ذرا ریلیکس ہو کے بیٹھے تھے، بلکہ نیم دراز تھے۔ فارغ وقت میں جیسے آدمی گھر میں بیٹھا ہوتا ہے، نیم دراز بیٹھے ہوئے تھے، کپڑے پہنے تھے، ٹھیک تھے، لیکن تھوڑی تہبند وغیرہ نظر آ رہی تھی۔ ایک دو صحابی آئے، تو آپ اسی طرح بیٹھے رہے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ سیدھے ہو کے بیٹھ گئے، کپڑے سیدھے کر لیے، تو پوچھا بعد میں کہ جی باقی لوگوں کے لیے آپ نے اہتمام نہیں کیا جیسے بیٹھے تھے، بیٹھے رہے، جیسے کپڑے تھے اسی طرح رہنے دیئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو اٹھ کے بیٹھ گئے اور کپڑے بھی سیدھے کر لیے، کیا مسئلہ ہے؟ فرمایا: میں اس بندے سے حیا کیوں نہ کروں جس سے ملائکہ یعنی فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا کی تعریف ہے، تو عام طور اس زمانے میں لباس یہی جسے ہم تہہ بند کہتے ہیں یا دھوتی لاچا کہتے ہیں، عام لوگ پہنتے تھے، لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خطرہ محسوس ہوا کہ اب یہ باغی جنہوں نے گھر کا محاصرہ کیا ہوا ہے یہ اب میری جان نہیں چھوڑیں گے، شہید اور قتل کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے، تو اس دن آپ نے پھر شلوار یا پاجامہ پہنا تاکہ جان تو جائے لیکن حیا نہ جائے، پردہ نہ جائے۔ سورۃ الاحزاب کے آخر میں اگر آپ دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جب کبھی دعوت ہوتی تھی، آپ جب بلاتے تھے بعض صحابہ کو، تو کھانے کے بعد کچھ لوگ بیٹھے رہتے تھے۔ باتیں کرتے اور بیٹھے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ایسے نہ کیا کرو، ہمارا جو نبی ہے وہ

﴿فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ﴾ (سورۃ الاحزاب:53)

ان میں تو حیا ہے، وہ تو حیا کی وجہ سے آپ کو منع نہیں کرتا کہ بھئی گھر آئے ہوئے ہیں، کیا کہوں کہ جاؤ بھئی اب چھٹی کرو، جان چھوڑو، حیا کی وجہ سے تمہیں اٹھنے کے لیے نہیں کہتے تم خود خیال کیا کرو، اللہ تعالیٰ کو ان باتوں کو کہنے سے ڈر نہیں ہے، لیکن نبی جو ہیں، وہ حیا کی وجہ سے سوچتے ہیں کہ آنے والے کیا کہیں گے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیا کی انتہا ہے۔ جیسے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ تھا تو آپ نے ولیمے کے لیے کچھ لوگوں کو بلایا، کچھ ولیمے کا کھانا کھا کے چلے گئے، کھانا سادہ سا جو بھی تھا وہ کھا گئے، مگر تین آدمی بیٹھے رہے، آپس میں باتیں کرتے رہے، آپ کا دل چاہتا تھا کہ سارے چلے گئے، اب یہ بھی چلے جائیں، لیکن آپ نے کہا نہیں، بیٹھ بیٹھ کے بیٹھ بیٹھ کے خود ہی وہ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں اٹھایا کیا وجہ تھی کہ یہی:

وَكَانَ النبيُّ ﷺ شَدِيْدَ الْحَياءِ (صحیح بخاری: 4793)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ حیا کرنے والے، لحاظ کرنے والے تھے، یہ بھی حلم کا حصہ ہے جو پہلے میں بیان کر رہا تھا، نرمی شفقت اس کا ایک حصہ ہے، نرمی کی وجہ سے ہوتی ہے یہ حیا، اس کی بنیاد نرمی ہے کہ لوگوں کا، لوگوں کے جذبات کا یا ناراض ہونے کا خیال رکھنا، اب اس سلسلے میں کچھ گرمی سہنی ہوتی ہے، کچھ زیادتی بھی برداشت کرنا ہوتی ہے تو یہ آپ کی صفات میں شامل تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حلم و حیاء کی دولت بھی عطا فرمائے۔

☆☆☆

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تین صفات ایسی ہیں جس شخص میں وہ پائی جائیں گی، اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا :

1۔ ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اسے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں۔

2۔ اگر کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ کے لئے کرے۔

3۔ کفر کی طرف لوٹنے کو اس طرح ناپسند کرے جیسے اپنے آپ کو آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔" (صحیح بخاری)



کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

تَبَرَّزَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَضَى حَاجَتَهُ مِنَ الْخَلَاءِ، ثُمَّ قُرِّبَ لَهُ طَعَامٌ فَأَكَلَ وَلَمْ يَمَسَّ مَاءً.(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب جواز أكل المحدث الطعام، وأنه لا كراهة في ذلك، وأن الوضوء ليس على الفور: 374)

"رسول اللہ ﷺ نے قضائے حاجت کی، پھر آپ ﷺ کی خامت میں کھانا پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے کھا لیا اور پانی کو چھوا تک نہیں۔"

یعنی نبی ﷺ نے اسی طہارت پر اکتفا کیا جو قضائے حاجت کے بعد کی تھی اور کھانے کے لیے دوبارہ ہاتھ نہیں دھوئے۔ گویا اگر ہاتھ پہلے سے پاک صاف ہوں تو دھونے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر صاف نہ ہوں تو دھو لینے چاہییں۔

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَتَى الْخَلَاءَ، ثُمَّ إِنَّهُ رَجَعَ فَأَتَى الطَّعَامَ، فَقِيلَ لَهُ: أَلَا تَتَوَضَّأُ؟ قَالَ: «لَمْ أُصَلِّ فَأَتَوَضَّأَ»

"ہم نبی ﷺ کے پاس تھے کہ آپؐ قضائے حاجت کے لیے گئے، پھر جب واپس آئے تو کھانا آ چکا تھا، پوچھا گیا: کیا آپ ﷺ وضو نہیں فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نماز نہیں پڑھنے لگا کہ وضو کروں۔"

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ زیادہ لائق ادب یہی ہے کہ وہ کام کیا جائے جو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے، چنانچہ آدمی کے ہاتھوں کو اگر گندگی نہ لگی ہو تو انہیں دھونے سے پہلے کھانا کھا لینا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ عمل ہے)چونکہ نبی ﷺ اپنے ہاتھوں کو پہلے پاک کر چکے تھے اس لیے دوبارہ نہیں دھویا)۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ بَاتَ وَفِي يَدِهِ غَمَرٌ فَأَصَابَهُ شَيْءٌ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ»

(سنن ترمذي، أبواب الأطعمة، باب ما جاء في كراهية البيتوتة وفي يده ريح غمر:1860)

"جو شخص اس حالت میں سو جائے کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہو، پھر اگر اسے کوئی نقصان پہنچتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔"

ہاتھ پہ سالن کی چکنائی لگی ہو اور اسے دھوئے بغیر ہی سو جانے کو مکروہ سمجھا گیا ہے، کیونکہ اس سے نقصان کا اندیشہ ہے کہ ممکن ہے کیڑے مکوڑے اس کی بُو پا کر اس تک پہنچ جائیں اور اسے نقصان پہنچا دیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں اگر اس کا کوئی نقصان ہو جاتا ہے تو بہ فرمانِ نبوی ﷺ اس کا وہ خود ہی ذمے دار ہے اور اسے اپنے آپ کو ہی ملامت کرنا چاہیے۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ شَرِبَ لَبَنًا فَتَمَضْمَضَ، وَقَالَ: «إِنَّ لَهُ دَسَمًا.» وَعَنْ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ فِي أَكْلِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ السَّوِيقَ وَأَكْلِهِمْ مَعَهُ قَالَ: ثُمَّ قَامَ إِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. وَالَّذِي رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ أَكَلَ عَرْقًا مِنْ شَاةٍ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَمَضْمَضْ وَلَمْ يَمَسَّ مَاءً. وَعَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ شَرِبَ لَبَنًا فَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَصَلَّى.

(صحيح بخاری، كتاب الوضوء، باب هل يمضمض من اللبن؟: 211-صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب نسخ الوضوء مما مست النار: 358)

"نبی ﷺ نے دودھ پیا، پھر کُلّی کی اور فرمایا: اس میں چکناہٹ ہوتی ہے۔ سوید بن نعمان رسول اللہ ﷺ کے ستّو کھانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ ستّو کھائے، پھر آپؐ مغرب کی نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے، آپؐ نے کُلّی کی تو ہم نے بھی کُلّی کر لی، پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔ اسی طرح ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بکری کی ہڈی کا گوشت کھایا، پھر نماز پڑھی، آپ ﷺ نے نہ تو کُلّی کی اور نہ ہی پانی کو چھوا اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے دودھ پیا اور وضوء کیے بغیر ہی نماز پڑھ لی۔"

انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول جواز پر محمول کیا جائے گا اور جو اس سے پہلے والا ہے وہ استحباب پر۔

کھانے کی دعا اور اپنے سامنے سے کھانے کا حکم

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا:

«إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَذَكَرَ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُولِهِ وَعِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ الشَّيْطَانُ: لَا مَبِيتَ بِكُمْ وَلَا عَشَاءَ، وَإِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُولِهِ قَالَ الشَّيْطَانُ: أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ، وَإِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ

طَعَامِهِ قَالَ: أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ وَالْعَشَاءَ»
(صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما: 2018- سنن أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب التسمية على الطعام: 3765-سنن ابن ماجه، كتاب الدعاء، باب ما يدعو به إذا دخل بيته: 3887)

”جب آدمی گھر میں داخل ہوتا ہے اور داخلے کے وقت اور کھانے کے وقت اللہ کا ذکر کر لے تو شیطان (اپنے آپ سے) کہتاہے کہ نہ تو تمہارے لیے (یہاں) رات گزارنے کا ٹھکانہ ہے اور نہ ہی شام کا کھانا لیکن جب گھر میں داخلے کے وقت اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان کہتاہے: تمہیں رات گزارنے کا ٹھکانہ مل گیااور جب وہ کھانے کے وقت اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان کہتا ہے: تم نے رات گزارنے کا ٹھکانہ اور شام کا کھانا دونوں حاصل کر لیے ہیں۔“

اللہ کا ذِکر کرنے سے مراد دعا پڑھنا ہے۔گھر میں داخل ہوتے وقت یہ دعاپڑھی جائے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلِجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا اور کھاناکھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنی چاہیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہاروایت کرتی ہیں کہ
أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَأْكُلُ طَعَامًا فِي سِتَّةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَأَكَلَهُ بِلُقْمَتَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:
«أَمَا إِنَّهُ لَوْ ذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ كَفَاكُمْ، إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَنَسِيَ أَنْ يَذْكُرَ اسْمَ اللّٰهِ فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ . تَابَعَهُ رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ، وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ: فَإِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ»
(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب التسمية على الطعام: 3767- مسند أحمد:246/6)

”رسول اللہ ﷺ اپنے چھ صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک بدوی آیا اور اس نے دولقموں میں ہی کھا لیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً اگر یہ بسم اللہ پڑھ لیتا تو تمہیں بھی پورا آ جاتا، جب تم میں سے کوئی کھائے اور وہ بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو اسے یوں کہنا چاہیے: بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ ”اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ)شروع کرتا ہوں(اس کے اوّل اور اس کے آخر میں۔“

وہب بن قیسان روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا:
كُنْتُ أَطْعَمُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَكَانَتْ يَدِي تَطِيشُ فِي الْقَصْعَةِ، فَقَالَ: «يَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ.»
(صحيح بخاري، كتاب الأطعمة، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين: 5376- صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما: 2022)

”میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا اور میرا ہاتھ برتن میں گھوم رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے بچے! بِسمِ الله پڑھ، اپنے دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھا۔“

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
«إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهِ، وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ»
(صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما: 2020- سنن أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب الأكل باليمين: 3776)

”جب تم میں سے کوئی کھائے تواسے اپنے دائیں ہاتھ سے کھاناچاہیے اور جب کوئی پیے تو اسے پینا بھی دائیں ہاتھ سے ہی چاہیے، کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتاپیتا ہے۔“

برتن کے درمیان سے کھانے کی ممانعت

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ
أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِقَصْعَةٍ مِنْ ثَرِيدٍ فَقَالَ: «كُلُوا مِنْ جَوَانِبِهَا وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ وَسَطِهَا، فَإِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ فِي وَسَطِهَا»
(سنن أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب ما جاء في الأكل من أعلى الصحفة: 3772- سنن ترمذي، أبواب الأطعمة، باب ما جاء في كراهية الأكل من وسط الطعام: 1805-سنن ابن ماجه، كتاب الأطعمة، باب النهي عن الأكل من ذروة الثريد: 3277)

”رسول اللہ ﷺ کے پاس ثرید کاایک بڑاپیالہ لایا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے (اپنی اپنی طرف کے) کناروں سے کھانا اور درمیان سے مت کھانا، کیونکہ درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے۔“

تین انگلیوں سے کھانااورانگلیاں چاٹنامسنون عمل

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:
كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَأْكُلُ بِثَلَاثِ أَصَابِعَ وَلَا يَمْسَحُ يَدَهُ حَتَّى يَلْعَقَهَا. (صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب استحباب لعق الأصابع والقصعة: 2032- مسند أحمد:177/3)

”رسول اللہ ﷺ تین انگلیوں سے کھایاکرتے تھے اور تب تک اپناہاتھ صاف نہیں کرتے تھے جب تک اسے چاٹ نہ لیتے۔“

انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ
أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ وَقَالَ:
«إِذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيُمِطْ عَنْهَا

الْأَذَى وَلْيَأْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ.» وَأَمَرَنَا أَنْ نَسْلُتَ الصَّحْفَةَ، وَقَالَ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي فِي أَيِّ طَعَامِهِ يُبَارَكُ لَهُ»(صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب استحباب لعق الأصابع والقصعة: 2033- سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الرجل يجلس بين الرجلين بغير إذنهما: 4845-سنن ترمذی، أبواب الأطعمة، باب ما جاء في اللقمة تسقط: 1803)

"رسول اللہ ﷺ جب کھانا کھاتے تو اپنی تین انگلیاں چاٹتے اور فرماتے:

جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اسے اس سے گندگی (مٹی وغیرہ) جھاڑ کر کھا لینا چاہیے اور وہ اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑ دے اور آپ ﷺ ہمیں حکم فرماتے کہ ہم پلیٹ کو انگلی سے صاف کریں اور فرماتے: بلاشبہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اس کے کس کھانے میں برکت ڈالی گئی ہے۔"

انسان کو یہ علم نہیں ہوتا کہ جو وہ کھانا کھا رہا ہے اس کے کس حصے میں برکت ہے، شاید اسی میں ہی اللہ نے برکت رکھی ہو جو اس نے برتن میں لگا چھوڑ دیا۔ اس لیے نبی ﷺ نے برتن کو انگلی کے ساتھ صاف کر کے چاٹنے کا حکم فرمایا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«لَا يَمْسَحْ أَحَدُكُمْ يَدَهُ بِالْمِنْدِيلِ حَتَّى يَلْعَقَ يَدَهُ، فَإِنَّ الرَّجُلَ لَا يَدْرِي فِي أَيِّ طَعَامِهِ يُبَارَكُ لَهُ.» (مسند أحمد: 15237)

"تم میں سے کوئی بھی (کھانا کھانے کے بعد) تب تک رومال سے اپنا ہاتھ مت پونچھے جب تک کہ وہ اسے چاٹ نہ لے، کیونکہ آدمی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے کس کھانے میں برکت رکھی گئی ہے۔"

یعنی ممکن ہے کہ کھانے کا جو تھوڑا سا حصہ اس کی انگلیوں کے ساتھ لگا ہو اسی میں ہی برکت ہو، اس لیے اسے رومال یا ٹشو وغیرہ سے صاف کرنے کی بجائے چاٹ لینا چاہیے۔

کھانا اپنے ساتھی کے قریب کرنا

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

دَعَى رَسُولَ اللهِ ﷺ رَجُلٌ، فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ مَعَهُ قَالَ: فَجَاءَ بِمَرَقَةٍ فِيهَا دُبَّاءٌ قَالَ: فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ ذَلِكَ الدُّبَّاءَ وَيُعْجِبُهُ، فَلَمَّا رَأَيْتُ ذَلِكَ جَعَلْتُ أُلْقِيهِ إِلَيْهِ وَلَا أَطْعَمُ مِنْهُ شَيْئًا قَالَ أَنَسٌ: فَمَا زِلْتُ أُحِبُّهُ بَعْدُ. قَالَ سُلَيْمَانُ التَّيْمِيّ: مَا أَتَيْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَطُّ فِي زَمَنِ الدُّبَّاءِ إِلَّا وَجَدْنَاهُ فِي طَعَامِهِ.

(صحيح بخاری، كتاب الأطعمة، باب المرق: 5436- صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب استحباب لعق الأصابع والقصعة:2041)

"ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی، آپ ﷺ تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ میں بھی تھا، وہ آدمی شوربہ لے کر آیا، اس میں کدّو تھے، رسول اللہ ﷺ کدّو کھانے لگے اور آپ ﷺ انہیں پسند کرتے تھے۔ جب میں نے یہ دیکھا تو میں (کدّو اٹھا اٹھا کر) آپ ﷺ کی طرف رکھنے لگا اور خود میں نے اس سے کچھ نہ کھایا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں بھی کدّو پسند کرنے لگا۔

سلیمان التیمی کہتے ہیں کہ ہم کدّووں کے موسم میں جب بھی انس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو ہم نے آپ کے کھانے میں کدّو ہی پائے۔"

سلمان بیان کرتے ہیں کہ

أَنَّهُ دَعَا رَجُلًا إِلَى طَعَامِهِ فَجَاءَ مِسْكِينٌ فَأَعْطَاهُ كِسَرًا، فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ: «ضَعْهُ مِنْ حَيْثُ أَخَذْتَهُ، مَا رَغْبَتُكَ أَنْ يَكُونَ الْوِزْرُ عَلَيْكَ وَالْأَجْرُ لِغَيْرِكَ، إِنَّمَا دَعَوْنَاكَ لِتَأْكُلَ.»

(السنن الكبرى للبيهقي:278/7)

"انہوں نے ایک آدمی کو کھانے کی دعوت دی، اسی دوران ایک مسکین آ گیا تو اس (مہمان) نے اسے ایک ٹکڑا دے دیا، تو سلمان نے اس سے کہا: جہاں سے پکڑا ہے وہیں رکھ دو، میں نہیں چاہتا کہ گناہ تیرے سر آئے اور اجر تیرے علاوہ کوئی اور لے جائے، ہم نے تو اس لیے تمہیں دعوت دی ہے تاکہ تُو (خود) کھائے۔"

اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ مہمان چونکہ جس کھانے پر مدعو ہوتا ہے وہ اس کی ملکیت میں نہیں ہوتا بلکہ اسے وہ اعزازاً پیش کیا گیا ہوتا ہے، اس لیے اسے اس کھانے کو صدقہ وخیرات کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اسے تناول کر سکتا ہے، صدقہ کرنے کا حق صرف میزبان کو حاصل ہے کیونکہ وہ کھانا اسی کے مال سے تیار کردہ ہوتا ہے اور اپنے مال کو کہیں بھی صرف کرنے کا وہی مجاز ہوتا ہے۔ روایت میں مذکور الفاظ "میں نہیں چاہتا کہ گناہ تیرے سر آئے اور اجر تیرے علاوہ کوئی اور لے جائے۔" کا مطلب یہی ہے کہ مہمان اگر اس کھانے کو صدقہ کرے تو وہ ایک ایسے کام کا مرتکب ہونے کی وجہ سے کہ جس کی اسے اجازت نہیں تھی، گنہگار ہو گا جبکہ اس صدقے کا اجر میزبان کو مل جائے گا۔

☆☆☆



شیخ البانی رحمہ اللہ کی ولادت اور تعلیم وتربیت

امام ومجدد اسلام ابو عبد الرحمن محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی ولادت با سعادت 1333ھ میں غربت کے شکار، دین دار، علم کے علمبردار گھرانے میں ہوئی اور وفات حسرت آیات 1420ھ میں ہوئی۔ اپنی باشعور زندگی کے ابتدائی بیس سالوں میں حفظ قرآن، لغت اور فقہ پر بڑی کڑی توجہ دی، پھر محمد رشید رضا رحمہ اللہ کے مجلۃ المنار کے حدیثی مضامین سے متاثر ہو کر علم حدیث، تخریج، تعلیق وتحقیق کا علمی سفر شروع کیا۔

پچاسی سالہ مبارک زندگی کے مکمل ساٹھ سالہ عرصے کو محض خدمت حدیث کے لیے وقف کیا۔ ساتھ ہی ساتھ مشروع العمر اور مقصد زندگی 'تقریب السنۃ بین یدي الأمۃ' بنایا۔ نتیجتاً بفضلہ اپنی شاہکار حدیثی تحقیقات کے تناظر میں شہرۂ آفاق ممتاز ومایہ ناز فقیہ مجدد مجتہد ومحدث زمانہ ہی نہیں بلکہ عصر حاضر میں علم حدیث کے میر کارواں، بحر بیکراں اور ایسے روح رواں قرار پائے کہ جن کی تین سو سے زائد کتابیں اور مقالات مستقل تصنیف، تخریج، تحقیق وتعلیق پر مشتمل ہیں اور ان قیمتی کتابوں کی علمی ندرت، تحقیقی انفرادیت، عوام وخواص کے درمیان بے پناہ شہرت، مقبولیت اور افادیت کے پیش نظر 1419ھ مطابق 1999ء میں شیخ البانی رحمہ اللہ کو جائزۃ الملک فیصل العالمیۃ للدراسات الإسلامیۃ سے نوازا گیا۔

اُلفت وحقیقت کے دشمنوں نے شیخ البانی رحمہ اللہ کو محض ایک گھڑی ساز اور بڑھئی کے طور پر پیش کرنے کی ناکام کوشش کی، جب کہ دمشق میں مدرسۃ الإسعاف کی ابتدائی تعلیم، بالخصوص والد محترم ودیگر عباقرہ اساتذہ سے حاصل کردہ مختلف علوم وفنون کا اصولی علم ساری نگارشات میں نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے۔

اقسام نگارشات

ہم شیخ البانی رحمہ اللہ کی جملہ کتابوں کو پانچ حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، کیونکہ کچھ کتابیں مطبوع، اکثر کتابیں مخطوط، بعض کتابیں جیسے التعلیق الممجد علی موطأ الإمام محمد للکنوي، السفر الموجب للقصر، الثمر المستطاب في فقه السنة والکتاب، سبل السلام شرح بلوغ المرام للصنعاني اور صحیح الإسراء والمعراج --- نامکمل اور چند کتابیں جیسے أحکام الرکاز، إزالة الشکوک عن حدیث البروك، مناظرة کتابية مع طائفة من أتباع الطائفة القاديانية وغیرہ مفقود اور کچھ کتابیں جیسے الحوض المورود في زوائد منتقی ابن الجارود التعليقات الجياد على زاد المعاد لا بن القيم اور زهر الرياض في رد ما شنعه القاضي عياض---نامکمل ہونے کے ساتھ ساتھ مفقود بھی ہیں۔

ماہرین البانیات میں بعض نے شیخ البانی رحمہ اللہ کی جانب بارہ منسوب نگارشات کو تحقیق اور توثیق طلب جانا کیوں ان کا معیار شیخ البانی رحمہ اللہ کی دیگر کتابوں کی طرح نہیں مثال کے طور پر حکم تارک الصلاة اور الابتداع في الدين وغیرہ۔

پندرہ سے زائد ایسی تفصیلی کتابیں ہیں، جن میں شیخ البانی رحمہ اللہ کے علمی منہج کو تفصیلی طور پر بتایا گیا ہے، جیسے اختیارات الشیخ الألباني و تحقیقاته للشیخ بکر أبو زید رحمہ اللہ، جن سے پتا چلتا ہے کہ شیخ البانی رحمہ اللہ کی چودہ کتابیں محض ردود پر مشتمل ہیں اور چوبیس ایسے اہم ترین مقالات ہیں جو مختلف اوقات میں متعدد مجلات میں شائع ہوتے رہے۔

ہمہ جہت عبقریت

تصنیفات، تحقیقات وتعلیقات پر طائرانہ یا غائرانہ نظر ڈالنے سے شیخ البانی رحمہ اللہ کی ہمہ جہت عبقریت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے، سب سے پہلی مستقل کتاب تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد اور پھر شرح العقيدة الطحاوية، البدعة، الرد على الجهمية للدارمي، العبودية لابن تيمية، تحقيق مختصر العلو للعلي الغفار للذهبي، الآيات البينات في عدم سماع الأموات على مذهب الحنفية السادات للآلوسي، التوسل أنواعه وأحكامه، الاحتجاج بالقدر لابن تيمية، الإيمان لابن أبي شيبة، الإيمان للقاسم بن سلام، الإيمان لابن تيمية اور القائد إلى تصحيح العقائد للمعلمي جیسی تحقیقات ونگارشات سے صحیح عقیدے کا غیر معمولی اہتمام ظاہر ہوتا ہے۔

صحیح عقیدے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ شیخ البانی رحمہ اللہ کی منہجی عبقریت اگر مجھنی ہو تو الحديث حجة بنفسه في العقائد والأحكام التوحيد أو لأ يا دعاة الإسلام اور فتنة التكفير جیسی دیگر نگارشات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ صلاة العيدين في المصلى خارج البلد

هي السنة منزلة السنة في الإسلام إصلاح المساجد من البدع والعوائد لمحمد القاسمي اور أحكام الجنائز وبدعها جیسی تحقیقات و نگارشات سے سنت سے محبت اور بدعت کی مذمت معلوم ہوتی ہے۔

بداية السول في تفضيل الرسول لعز بن عبد السلام فضل، الصلاة على النبي، صحيح السيرة النبوية، فقه السيرة للغزالي، اور مختصر الشمائل المحمدية جیسی تحقیقات و نگارشات سے شیخ البانی رحمہ اللہ کا سیرت طیبہ سے شغف بلکہ حب نبوی جھلکتی ہے۔

كيف يجب علينا أن نفسر القرآن جیسی تحقیقات ونگارشات سے علوم قرآن اصول تفسیر سمیت تفسیری ملکہ کا پتہ چلتا ہے۔

مصطلح الحدیث کے باب میں النكت على نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر، اور الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث لأحمد شاكر عیسی نگارشات میں شیخ البانی رحمہ اللہ کی تعلیقات وحواشی بڑی لاجواب ہیں۔

لفتة الكبد في تربية الولد لابن الجوزي، اقتضاء العلم العمل للخطيب البغدادي، التصفية والتربية وحاجة المسلمين إليهما، رياض الصالحين، صحيح وضعيف الترغيب والترهيب، وصحيح الأدب المفرد وضعيف الأدب المفرد اور تحريم آلات الطرب سے اخلاقیات کے باب میں تربیہ وتصفیہ کا پہلو نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

أحاديث المزارعة والمؤاجرة، تمام النصح في مسألة المسح، تأسيس الأحكام على ما صح عن خير الأنام بشرح أحاديث عمدة الأحكام لأحمد النجمي، الأحاديث الصحيحة مرتبةً على الأبواب الفقهية، إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل، تبويب وترتيب أحاديث الجامع الصغير وزيادته على أبواب الفقه، تمام المنة في التعليق على فقه السنة، الثمر المستطاب في فقه السنة والكتاب، صفة صلاة النبي، صلاة التراويح، أحكام الجنائز، حقيقة الصيام، سبل السلام شرح بلوغ المرام، مناسك الحج والعمرة في الكتاب والسنة، آداب الزفاف في السنة المطهرة، التعليقات الرضية على الروضة الندية اور العقود لابن تيمية جیسی تالیفات تحقیقات۔

تعلیقات و تخریجات سے فقہی تمکنت اور سؤال وجوابه حول فقه الواقع جسے علمی مجموعے سے شیخ البانی رحمہ اللہ کی فقہی عبقریت سمیت فقه النوازل والمستجدات اور حاضر العالم الإسلامي کا گہرا انداز ہوتا ہے، علاوہ ازیں صفة الفتوى والمفتي والمستفتي تو اصولی علم کا مثالی شاہ کار ہے۔

تعقيب على كتاب الحجاب للمودودي، دفاع عن الحديث النبوي والسيرة الذب الأحمد عن مسند الإمام أحمد، وجوب الأخذ بحديث الآحاد في العقيدة والرد على شبه المخالفين، التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الأباطيل لعبد الرحمن المعلمي، رفع الأستار لإبطال أدلة القائلين بفناء النار لمحمد الصنعاني اور أداء ما وجب من بيان وضع الوضاعين في رجب لا بن دحية جیسی تحقیقات و نگارشات سے علمی ردود کا سلیقہ ملتا ہے۔

حقوق النساء في الإسلام وحظهن من الإصلاح المحمدي العام لمحمد رشيد رضا، اور تخريج أحاديث مشكلة الفقر وكيف عالجها الإسلام للقرضاوي عیسی تحقیقات سے انسانیت نوازی نظر نواز ہوتی ہے۔

اجزاء حدیثیہ کی ترتیب میں محدثین کے منہج اور شیخ البانی رحمہ اللہ کی عبقریت سمجھنی ہو تو صفة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم اور حجة النبي صلى الله عليه وسلم کا مطالعہ کرنا ہو گا۔

اختصار کتب حدیث کی عمدہ مثالیں دیکھنی ہو تو مختصر صحیح البخاری و مختصر صحیح مسلم پڑھنی ہو گی۔

تراجم رواۃ اور اسماء رجال کے باب میں جزء من الإكمال في أسماء الرجال للخطيب التبريزي، تسهيل الانتفاع بكتاب ثقات ابن حبان، الجمع بين ميزان الاعتدال للذهبي، ولسان الميزان لابن حجر، اور رجال الجرح والتعديل لابن أبي حاتم کا مطالعہ بہتر ہے۔

انساب کے موضوع پر اسعاف الأعيان في أنساب أهل عمان لسالم السيابی کی احادیث کی تخریج بڑی عمدہ ہے۔

حدیثی صناعت و مہارت کی شاہ کار کتابیں اور علوم حدیث اور فقہ السنہ کا بہترین امتزاج بلکہ بحر بے کراں اگر دیکھنا ہو تو سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها ووفوائدها، سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيء في الأمة، التعليقات

الحسان علی صحیح ابن حبان، صحیح موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان ضعیف موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، هداية الرواة إلى تخريج أحاديث المصابيح و المشكاة اور سنن اربعہ کی صحیح وضعیف مستقل کتابوں کا مطالعہ حرف بحرف کرنا ہو گا۔

یادر ہے کہ عصر حاضر میں تخریج کے ساتھ سب سے وسیع ترین فقہی کتاب إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل شیخ البانی رحمہ اللہ نے دنیائے علم و عرفان کے لیے پیش کی۔

شیخ البانی رحمہ اللہ معاصر محدثین وفقہا کی نظر میں

عقیدہ منہج اتباع سنت و سیرت، حجیت حدیث، تفسیر، شرح حدیث، اصول تفسیر و حدیث، علوم حدیث، فقہ السنہ، فقہ مقارن، فقہ الواقع، تراجم رواۃ، اسماء رجال اور تخریج وغیرہ کے اعتبار سے متعدد تصنیفات کے تنوع اور تفنن کے تناظر میں شیخ البانی رحمہ اللہ کی عبقریت کا اندازہ لگانے کے بعد اس پر مزید یقین کی مہر ثبت کرنے کے لیے ہمعصر علمائے کرام کے درج ذیل تجزیے و تبصرے ملاحظہ فرمائیں:

امام ابن عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا: أما من خلال قرائتي لمؤلفاته فقد عرفت ذلك أي أنه فضيلة محدث الشام الشيخ الفاضل وأنه ذو علم جم في الحديث رواية ودراية إلى أن قال: وعلى كل حال فالرجل طويل الباع واسع الاطلاع قوي الإقناع ونسأل الله أن يكثر من أمثاله في الأمة بھی فرمایا عالم محدث فقيه مزید فرمایا إمام في الحديث لا نعلم أن أحدا يباريه في عصرنا - یعنی شیخ کی تالیفات کے مطالعے سے میں نے جان لیا کہ شیخ محترم کی شخصیت ملک شام کے معزز محدث کے طور پر ہے۔ بڑے فاضل شیخ ہیں، روایت حدیث و فہم حدیث کے اعتبار سے علم حدیث کا قابل لحاظ علم رکھتے ہیں۔۔۔ بہر حال یہ مرد مؤمن علم حدیث کا بحر بیکراں اور بڑی شدت سے قائل و مطمئن کرانے والا ہے، اللہ سے ہماری دعا ہے کہ امت میں ان جیسوں کی کثرت ہو۔ وہ تو بڑے عالم، محدث اور فقیہ ہیں۔ علم حدیث کے ایسے امام ہیں کہ ہمارے دور میں کوئی ان کا مد مقابل ہمارے علم میں نہیں۔ شیخ مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ نے فرمایا: إننا لا نزال نزداد علما بسبب كتب الشيخ.

یعنی شیخ محترم کی کتابوں سے ہمارے علم میں برابر اضافہ ہو تا رہتا ہے۔ بطور اصول بتایا:

ولا يقدح في الشيخ ناصر الدين وفي علمه إلا مبتدع من ذوي الأهوائ

یعنی شیخ محترم کی شخصیت اور شیخ محترم کے علم پر جرح کرنے والا نفسانی خواہشات کا شکار بدعتی ہی ہو سکتا ہے۔ بطور تنبیہ عرض کیا: أي مكتبة ليس فيها كتب ناصر الدين الألباني فهي تعتبر فقيرة.

یعنی جو بھی مکتبہ شیخ البانی رحمہ اللہ کی کتابوں سے خالی ہو وہ قابل ترس ناقص مکتبہ شمار ہو گا۔

مزید فرمایا:

إرواء الغليل كتاب فقه و كتاب جرح و تعديل و كتاب تصحيح وتضعيف فهو يعتبر من أنفس كتب الشيخ الألباني، ثم جمع الطرق التي يأتي بها الشيخ ربما لا تتيسر لعصري في هذا الزمن فهو من أنفس لا أقول من كتب الشيخ بل من أنفس الكتب كلها.

یعنی ارواء الغلیل فقہ جرح و تعدیل اور احادیث کو صحیح وضعیف قرار دینے کی کتاب ہے اور یہ شیخ محترم کی نفیس ترین نگارشات میں سے ہے۔ علاوہ ازیں عصر حاضر شیخ محترم کی طرح روایات کی سندوں کو اکٹھا کرنا شائد ہی عصر حاضر کے کسی عالم کے لیے ممکن ہو پائے، بنا بریں میں یہ نہیں کہتا کہ زیر بحث کتاب محض شیخ محترم ہی کی عمدہ کتابوں میں سے ایک ہے، بلکہ ساری عمدہ کتابوں میں ایک منفرد کتاب ہے۔

شیخ بن باز رحمہ اللہ نے شیخ البانی رحمہ اللہ کی عبقریت بتائی اور فرمایا:

ما رأيت تحت أديم السماء عالما بالحديث في العصر الحديث مثل محمد ناصر الدين الألباني

یعنی روئے زمین پر شیخ البانی رحمہ اللہ کی طرح دور حاضر میں میں نے کسی دوسرے عالم کو نہیں پایا، مزید فرمایا:

هو جدير بأن ينتفع بكتبه ويستفاد منها و أنا ممن يستفيد منها طالعت الكثير من كتبه فهي كتب مفيدة

یعنی شیخ محترم کی کتابوں سے استفادہ کرتے رہنا چاہیے، بلکہ میں بھی شیخ محترم کی کتابوں سے فیض یاب ہونے والوں میں سے ہوں اور میں نے شیخ محترم کی ڈھیر ساری کتابوں کا مطالعہ کیا۔ یقینا بڑی ہی مفید کتابیں ہیں۔ استاذ محترم شیخ عبد المحسن العباد نے فرمایا:

لقد كان رحمه الله من العلماء الأفذاذ الذين أفنوا أعمارهم في خدمة السنة والتأليف فيها.

یعنی شیخ محترم اُن منفرد علما میں سے ہیں جنہوں نے سنت کی خدمت اور حدیثی تصنیفات میں اپنی عمر لگا دیں۔

شیخ البانی رحمہ اللہ کی علمی عبقریت سے واقفیت کے لیے محدث زمانہ شیخ مقبل وادعی رحمہ اللہ کا قول ہی

کافی ہے کہ

لقد هممت أن أرد على الشيخ الألباني في مسألة كشف الوجه للمرأة ولكن هبت أن يرد علي فردوده تقصم الظهر.

یعنی میں نے عزم مصمم کیا کہ عورت چہرے کا پردہ کرے گی یا نہیں اس مسئلے میں شیخ البانی رحمہ اللہ پر رد کروں لیکن مجھے ڈر لاحق ہوا کہ کہیں وہ مجھ پر رد نہ کر دیں، کیونکہ ان کے ردود تو کمر توڑ دیتے ہیں۔

کچھ نگارشات کا تعارف مولف کی زبانی

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنی یگانہ روزگار کتاب اَحکام الجنائز وبدعھا کے تئیں خود فرمایا:

ومما لا يخفى على أهل العلم الذين مارسوا التأليف أن تحقيق مثل هذا العمل يتطلب سعيا حثيثا وجهدا بليغا وصبرا جميلا وزمنا مديدا وبعد إنجازه يمكن تأليف الرسالة المطلوبة بصورة تطمئن إليها النفس وينشرح لها الصدر ويعظم بها النفع.

پھر فرمایا: ولقد حاولت أن أستقصي فيه كل ما له علاقة بموضوعه من المسائل التي لها دليل من الكتاب والسنة وأعرضت عما كان مستنده مجرد الرأي.

جن علما کا مشغلہ تصنیف و تالیف ہو اُن سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ اس جیسے کارنامہ کی انجام دہی کے لیے کس قدر سنجیدہ کوشش، مکمل تگ و دو استقامت اور طویل وقت درکار ہوتا ہے اور اس انداز سے علمی خدمت انجام دینے کے بعد ہی اس طرز کا علمی رسالہ شرح صدر کا باعث، قابل اطمینان اور انتہائی نفع بخش طور پر ترتیب پاتا ہے۔

اور میں نے بڑی کڑی کوشش کی کہ کتاب کے موضوع سے متعلق سارے مدلل مسائل کو جمع کر دوں اور جو مسائل عقل پر مبنی بے دلیل ہوں انہیں نظر انداز کر دوں۔

عبد الکریم الدرینی نے بتایا کہ

مسئل الإمام الألباني عن كتابه صفة صلاة النبي لم يؤلف مثل هذا الكتاب منذ مائة سنة؟ فقال رحمه الله: ولامنذ ألف سنة.

یعنی امام البانی رحمہ اللہ سے ان کی کتاب صفۃ صلاۃ النبی ﷺ کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا اس جیسی کتاب گزشتہ سو سالوں میں نہیں لکھی گئی؟ تو فرمایا کہ گزشتہ ہزار سالوں میں اس جیسی کتاب نہیں لکھی گئی۔

خصوصیات البانیات بیک نظر

1۔ مختلف علوم وفنون کی تصنیف و تالیف میں تنوع و تفنن اختیار کرنا۔

2۔ حالات کے اعتبار سے موزوں موضوع کا انتخاب کرنا۔

3۔ متقدمین کے طریقے پر کتابوں کے نام مجمع و مقفی رکھنا اور کبھی کبھار مغاربہ کی طرز پر کتابوں کے طویل نام رکھنا۔

4۔ کسی مستقل کتاب یا رسالے میں بعض ابواب، مسائل احادیث اور واقعات کو پیش کرنا۔

5۔ بذات خود اور بنفس نفیس نسخ کرنا، تحقیق کرنا، تخریج کرنا اور پھر تالیف کرنا۔

6۔ بطور خاص سنن اربعہ اور دیگر کتب حدیث کی خدمت کرنا۔

7۔ کتب حدیث و کتب سیر و تراجم کی فہرست تیار کرنا۔

8۔ اپنی اور دیگر کی کتابوں کی تلخیص کرنا۔

9۔ معلومات کی مکمل توثیق، احاطہ، استقصاو استقرا کی بھرپور کوشش کرنا۔

10۔ محدثین کے اصول اور طریقہ استدلال و استنباط کو اپنانا۔

1۔ نصوص پر روایت و درایتا سیر حاصل گفتگو کرنا۔

12۔ نگارشات میں حتی المقدور سلفیت کا تعارف پیش کرنا اور ساتھ ہی ساتھ سلفیت کا دفاع کرتے رہنا۔

13۔ حق کی تاصیل اور باطل کا استیصال کرنا سنت کی تشہیر سمیت بدعات پر نکیر اور ان سے تحذیر کرنا۔

14۔ اپنی علمی شخصیت وہی صلاحیت اور کسی قوت کا اظہار عالمانہ انداز سے کرنا اور علم کی روشنی میں اختیار کردہ موقف کو جرات مندانہ طور پر پیش کرنا۔

15۔ مخالف خواہ کوئی بھی ہو حسب ضرورت انصاف کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر شدید اور تفصیلی علمی رد کرنا، پر اگر علمی تسامح واضح ہو جائے تو فوراً رجوع بھی کر لینا۔

16۔ مستقل تصنیف ہو تو تخریج میں تاخیر و توسع سے کام لینا۔ وغیرہ۔

اس قدر ڈھیر ساری خصوصیات کے باوجود تقریباً (57) سے زائد ایسی کتابیں لکھی گئیں جن میں بعض اہل علم نے شیخ البانی رحمہ اللہ سے کچھ علمی اختلاف یا کسی مسئلے یا حدیث کی تحقیق پر تعقیب واستدراک کیا۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ شیخ البانی رحمہ اللہ زبان و بیان کے اعتبار سے قرطاس قلم کے پر تکلف شہ سوار ہونے کے ساتھ ساتھ فکر و فن کے حقیقت پسند تاج دار، اخلاقی اقدار کے پاس دار اور تہذیب و ثقافت کے آئینہ دار بڑے باوقار اپنے آپ میں تحقیق و توثیق کے آفتاب و مہتاب اور علم و عمل کے گوہر نایاب تھے، جہاں شیخ رحمہ اللہ کی لسانی تعبیرات اور کتابی عبارات میں چمن تحریر کی حنا بندی کرنے والی استعارات و تشبیہات بھی ہوتیں وہاں بیک وقت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحریروں کی طرح سادگی میں عمدگی اعلی درجے کی ہوا کرتی تھی۔

روشن شب حیات کے مہتاب کی طرح
آتی ہے ان کی یاد حسیں خواب کی طرح
ممکن نہیں کہ ان سے زمانہ ہو بے نیاز
وہ تھے جہاں میں گوہر نایاب کی طرح

☆☆☆



رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کا آغاز اعلان نبوت کے پہلے لمحے سے ہی ہو چکا تھا، وہ اہل مکہ جو رسول اللہ ﷺ کو صادق امین کے لقب سے پکارا کرتے تھے اور آپ کے ہر حکم و مشورہ کو قبول کیا کرتے تھے جب انہیں کوہ صفا کے دامن میں ایک اللہ کی دعوت دی گئی تو وہ گستاخی پر اتر آئے اور اس گستاخی کا مرتکب کوئی اور نہیں بلکہ آپ کا چچا ابولہب ہوا جو گالی گلوچ اور ہلاکت کی دہائی دینے لگا، یہ تاریخ کی سب سے پہلی گستاخی تھی، اس واقعہ کے بعد گستاخی کا سلسلہ مشرکین کی جانب سے جاری رہا، جب حرم مکہ کے صحن میں آپ نماز پڑھ رہے تھے تو ایک بدقماش نے آپ کی گردن میں پھندا ڈال کر مروڑنا شروع کیا جس سے آپ کا دم گھٹے جارہا تھا، اسی طرح آپ حرم مکہ کے صحن میں حالت سجدہ میں تھے تو آپ کا چچا ابوجہل اونٹنی کی گندی اوجھڑی آپ کی پیٹھ پر ڈال دیا جسے حضرت فاطمۃ الزہراء نے صاف کیا اور لوگوں کو نصیحت کی، ایک دفعہ ایک ظالم نے آپ ﷺ کی گردن میں چادر ڈال کر گردن دبانا شروع کیا، ظالم نے اس قدر نبی ﷺ پر تشدد کیا کہ کسی دیکھنے والے کو رحم آگیا وہ بھاگتا ہوا گیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خبر کی، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوڑے دوڑے چلے آئے اور یہ کہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو تحفظ فراہم کیا کہ ﴿أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ...﴾ ایک شخص کو تم اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کیونکہ وہ کہتا ہے کہ " اللہ ایک ہے۔" لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ دیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے اور آپ کو اتنا مارا کہ آپ کے سر کے بال اکھڑ گئے۔(صحیح بخاری:3678,3856,4815)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی گستاخی پر آمادہ کفار قریش نے ایک مرتبہ آپ پر یلغار کر دی جب یہ خبر حضرت حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو وہ آپ کے تحفظ کے لئے دوڑے، لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ دیا اور حارث پر ٹوٹ پڑے اور انہیں قتل کر دیا، مکہ میں مردوں میں اسلام کی راہ میں بہنے والا یہ پہلا خون تھا۔

الغرض یہ سلسلہ آغاز نبوت ہی سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اس ضمن میں شریعت اسلامیہ نے جو رہنمائی کی ہے اس کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ دین اسلام میں قتل کی سزا صرف چار بنیادوں پر عائد ہوتی ہے:

1۔ قتل ناحق کے قصاص میں قتل کیا جائیگا۔

2۔ اسلام لاکر مرتد ہونے والے کی سزا قتل ہے۔

3۔ شان رسالت میں گستاخی کی سزا قتل ہے۔

4۔ زانی کو سنگسار، ان سزاؤں کا اطلاق اسلامی حکومت وخلافت کا متقاضی ہے۔

دور نبوت میں گستاخ رسالت کے مرتکبین تین طرح کے لوگ تھے:

1۔ وہ لوگ جو بظاہر اسلام لا چکے تھے لیکن ان کے دل مسلمان نہیں ہوئے تھے انھوں نے ارتداد کیا اور شان رسالت میں گستاخی کے مرتکب ہوئے۔

2۔ وہ کفار جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے متعلق سخت دل ہو چکے تھے وہ گستاخی کے مرتکب ہوئے۔

3۔ وہ ذمی واہل کتاب جو رسول اللہ ﷺ کے معاہد تھے۔ وہ گستاخی کے مرتکب ہوئے۔

ان تینوں قسم کے گستاخوں میں بعض ایسے تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے معافی دے دی اور وہ اسلام لے کر آئے اور بعض ایسے تھے جنہوں نے توبہ کیا اور دوبارہ اسلام میں لوٹ آئے اور بعض ایسے تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے معاف نہیں کیا بلکہ ان پر قتل کا حکم صادر فرمایا اور وہ انجام کو پہنچا دئے گئے۔

گستاخ رسول کی اسلامی سزا:

گستاخ رسول اور گستاخ دین کی سخت ترین سزا مقرر کی گئی ہے جس کو سنتے ہوئے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾

"جو اللہ تعالی سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں، ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے یہ تو ہوئی ان کی دنیاوی ذلت اور خواری اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔" (سورۃ المائدہ:33)

رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرنے والا کافر ہے

رسول اللہ ﷺ کی شان میں کسی بھی طرح کی گستاخی کرنے والا کافر ہے، اس پر امت کا اجماع ہے،

چنانچہ چند اقوال پیش خدمت ہیں:

1۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے نبی کو گالی دی اسے قتل کیا جائے اور جس نے آپ کے صحابہ کو گالی دی اسے کوڑے مارے جائیں۔" (الصارم المسلول)

2۔ حضرت حصین کی روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: " جو شخص رسول اللہ ﷺ کو گالی دے اسے قتل کیا جائے۔" (الصارم المسلول)

3۔ اصحاب امام شافعی میں سے ابو بکر فارسی نے اس امر پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دے اس کی حد شرعی قتل ہے۔" (الصارم المسلول)

4۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس بات پر امت کا اجماع منعقد ہوا کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی توہین کرے یا آپ کو گالی دے تو اسے قتل کیا جائے۔" (الصارم المسلول)

5۔ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

" اس بات پر مسلمانوں کا اجماع منعقد ہوا کہ جو شخص اللہ یا اس کے رسول کو گالی دے، یا خدا کے نازل کردہ کسی حکم کو رد کر دے یا کسی نبی کو قتل کرے تو وہ اس کی بنا پر کافر ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ خدا کے نازل کردہ تمام احکام کو مانتا ہو۔" (الصارم المسلول)

6۔ محمد بن سحنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس بات پر علماء کا اجماع منعقد ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والا اور آپ ﷺ کی توہین کرنے والا کافر ہے، اس کے بارے میں عذاب خداوندی کی وعید آئی ہے، امت کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے، جو شخص اس کے کفر اور اس سزا میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔"

7۔ اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ "جو کسی نبی کو قتل کرے اسے قتل کر دو اور جو میرے صحابہ کو گالی دے اسے کوڑے مارو۔" (الصارم المسلول)

8۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اسے قتل کیا جائے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والا مرتد ہو جاتا ہے، مسلمان رسول اللہ ﷺ کو گالی نہیں دے سکتا۔ (الصارم المسلول)

9۔ عبد اللہ بن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے کہ آیا اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے؟ فرمایا:

" وہ واجب القتل ہے، اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا گیا تھا۔" (المعجم الصغیر للطبرانی؛ الصارم المسلول ؛ المطالب العالیہ؛ الشفاء للقاضی عیاض؛ فتح الباری ؛ الطبقات الکبری)

گستاخ رسول کے قتل کے بعض واقعات:

عہد نبوی اور عہد خلافت میں شان رسالت میں گستاخی کے مرتکبین کو ان کے انجام تک پہنچا دیا گیا، اس ضمن میں بہت سے واقعات وارد ہوئے ہیں چند واقعات کا تذکرہ مناسب ہو گا۔

1۔ ایک نابینا مسلمان ایک یہودی عورت کے یہاں قیام پذیر تھا وہ عورت اسے کھلاتی پلاتی اور نیک سلوک کیا کرتی تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتی اور ایذاء رسانی کرتی تھی، ایک رات نابینا شخص نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا، جب صبح ہوئی تو رسول کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا، آپ ﷺ نے لوگوں کو اس ضمن میں حلف دی، دریں اثنا اس اندھے شخص نے کھڑے ہو کر ماجرا بیان کیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کے خون کو هدر (رائیگاں) قرار دیا۔ (السنن الکبریٰ البیہقی: 13785)

2۔ اسماعیل بن جعفر نے بطریق اسرائیل از عثمان شحام از عکرمہ از ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ

"ایک اندھے شخص کی ایک ام ولد لونڈی تھی جو سول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی، وہ اسے روکتا مگر وہ باز نہ آتی، وہ ڈانٹتا مگر وہ رکتی نہ تھی، ایک رات اس نے رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینے کا آغاز کیا، اس نے بھالا لے کر اس کے شکم میں پیوست کر دیا اور اسے زور سے دبا دیا جس سے وہ ہلاک ہو گئی، صبح کو اس کا تذکرہ رسول کریم ﷺ سے کیا گیا تو لوگوں کو جمع کر کے آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں اس آدمی کو قسم دیتا ہوں جس نے کیا، جو کچھ کیا ، اور میرا اس پر حق ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے۔"

یہ سن کر اندھا کھڑا ہوا اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آپ ﷺ کے پاس آیا اور بیٹھ گیا، وہ کانپ رہا تھا ، اس نے کہا: یارسول اللہ ! اسے میں نے قتل کیا ہے، وہ آپ کو گالیاں دیا کرتی تھی، میں اسے روکتا مگر وہ باز نہ آتی تھی، میں اسے ڈانٹ ڈپٹ کرتا مگر وہ پرواہ نہ کرتی۔ میں نے بھالا لے کر اس کے پیٹ میں گاڑھ دیا اور اسے زور سے دبا دیا، اس کے بطن سے میرے دو ہیروں جیسے بیٹے ہیں، وہ میری رفیقہ حیات تھی ، گزشتہ شب جب وہ آپ کو گالیاں بکنے لگی تو میں نے بھالا لے کر اس کے پیٹ میں گاڑھ دیا اور اسے زور سے دبا دیا حتی کہ وہ مرگئی ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" تم گواہ رہو کہ اس کا خون هدر (رائیگاں) ہے۔"

(سنن ابوداؤد:4361 ؛ سنن نسائی: 5.107 ؛ المستدرک:4-354؛ بلوغ المرام:1230)

3۔ کعب بن اشراف یہود کے سرداروں میں سے تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی ایذا رسانی

میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، یہ شخص مشرکین و کفار کو نبی کے خلاف ابھارتا تھا، نام گرامی شعراء کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی ہجو گوئی کیا کرتا تھا اور مسلمان عورتوں کی برائی میں شعراء سے کلام پڑھاتا، جب بھی کوئی مسلمان اس سے قرض لینے کے لئے جاتے تو ان سے کہتا کہ اپنی عورتوں کو گروی رکھو یا اپنے بچوں کو گروی رکھو، اس کی ایذا رسانیوں سے رسول اللہ ﷺ تنگ آچکے تھے، اس کی شرارتیں سر سے اونچی ہو چکی تھیں ۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کعب بن اشرف کو کون ٹھکانے لگائے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچائی ہے۔"

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"یارسول اللہ میں اس کے لئے تیار ہوں۔"

اور انہوں نے حسب منصوبہ اس کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ سے یہودی گھبرائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ "گزشتہ رات ہمارے ساتھی کو قتل کیا گیا ہے، وہ ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار تھا اور اسے بلا جرم و گناہ، جس کا ہمیں علم ہو قتل کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر وہ بھی اسی طرح امن و سکون سے رہتا جس طرح اس کے دوسرے ہم خیال رہتے تھے تو اسے اچانک قتل نہ کیا جاتا مگر اس نے ہمیں اذیت دی اور ہماری ہجو میں اشعار کہے تو جو بھی اس طرح کرے گا، قتل کر دیا جائیگا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو دعوت دی کہ میں انہیں ایک عہد نامہ لکھ دیتا ہوں وہ اس پر عمل پیرا ہوں، اس طرح رسول اللہ ﷺ نے یہود اور مسلمانوں کے درمیان ایک عہد نامہ کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھ کر رملہ بن حارث کے مکان میں لکھ دیا، یہود اب ایسی حرکتوں سے باز آگئے، جب سے کعب بن اشرف کا قتل ہو گیا، وہ ڈر گئے اور رسوا ہو گئے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب المغازی الواقدی)

4۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خطمہ قبیلے کی ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی ہجو کہی، آپ ﷺ نے فرمایا: "اس عورت سے کون نمٹے گا؟ اس کی قوم سے ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ! یہ کام میں انجام دوں گا، چنانچہ اس نے جا کر اسے قتل کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "دو بکریاں اس میں سینگوں سے نہیں ٹکراتیں۔" (الکامل لابن عدی)

یہ عورت قبیلہ خطمیہ کے خاندان بنو امیہ بن مروان سے تھی جس کا نام عصمہ بنت مروان تھا، یہ رسول اللہ ﷺ کی برائی بیان کرتی، اسلام میں عیب نکالتی، اور آپ ﷺ کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا کرتی تھی۔ عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ نے اس کا قتل کیا اور فجر کی نماز میں شامل ہو گئے، نماز سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: کیا تو نے بنت مروان کو قتل کر دیا ہے؟ عرض کیا: ہاں۔ اس نے کہا: یارسول اللہ! اس ضمن میں مجھ پر کوئی چیز واجب ہے؟ فرمایا:

نہیں، دو بکریاں اس میں سینگوں سے نہیں ٹکراتیں

یہ فقرہ پہلی مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سنا گیا۔ عمیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارد گرد دیکھا اور فرمایا:

" اگر تم ایسا شخص دیکھنا چاہو، جس نے اللہ اور اس کے رواں لی غیبی مدد کی ہے تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔" (المغازی الواقدی)

5۔ بنو عمرو بن عوف میں ایک شخص تھا، جس کو ابو عفک کہتے ہیں، وہ نہایت ہی بوڑھا تھا اور اس کی عمر 120 سال کی تھی، یہ شخص مدینہ آکر لوگوں کو رسول کریم ﷺ کی عداوت پر بھڑکایا کرتا تھا، اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، جب رسول اللہ ﷺ بدر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و کامرانی سے نوازا تو وہ حسد کرنے لگا اور بغاوت پر اتر آیا، اس نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں ایک توہین آمیز قصیدہ کہا۔

سالم بن عمیر نے نذر مانی کہ میں ابو عفک کو قتل کروں گا یا اسے قتل کرتے ہوئے مارا جاؤں گا، سالم موقع کی تلاش میں تھا، موسم گرما کی ایک رات تھی، ابو عفک موسم گرما میں قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے صحن میں سو رہا تھا، دریں اثنا سالم بن عمیر آیا اور تلوار اس کے جگر پر رکھ دی، دشمن خدا بستر پر چیخنے لگا، اس کے ہم خیال بھاگتے ہوئے اس کے پاس آئے، پہلے اس کے گھر میں لے گئے اور پھر قبر میں دفن کر دیا۔ کہنے لگے اسے کس نے قتل کیا؟ بخدا اگر ہمیں قاتل کا پتہ چل جائے تو ہم اسے قتل کر دیں گے ۔ (المغازی الواقدی؛ الطبقات الکبری)

6۔ تین ایسی گلوکارائیں تھیں جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی ہجو کیا کرتی تھیں:

1۔ سارہ بنی عبد المطلب میں ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی تھی جو مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیا کرتی تھی۔

2۔ فرتنی: جو عبد اللہ ابن خطل کی لونڈی تھی جسے قتل کر دیا گیا۔

3۔ ارنب تھی اس میں سے ایک ماری گئی اور ایک کو امان دے دی گئی چونکہ وہ اسلام لا چکی تھی۔

7۔ انس بن زنیم الدیلی قبیلہ کنانہ کا ایک آدمی تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ کی ہجو بیان کی، قبیلہ خزاعہ کے ایک لڑکے نے سن لیا، اس نے اُس پر حملہ کر دیا اور اس کے سر پر چوٹ ماری، اور وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور ان کو اپنا زخم دکھایا۔ بعد میں اس نے رسول اللہ ﷺ کی تعریف میں قصیدہ کہا جس کے متعلق

امام واقدی کہتے ہیں:

'حرام' نامی شخص نے مجھے یہ قصیدہ سنایا، رسول اللہ ﷺ کے پاس وہ قصیدہ بھی پہنچا، اس نے جو معذرت چاہی تھی وہ بھی پہنچی اور نوفل بن معاویہ الدیلی آپ ﷺ سے ہم کلام ہوا، اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ سب لوگوں سے زیادہ معاف کرنے کے اہل ہیں، ہم میں سے کون ہے، جس نے آپ سے عداوت نہ رکھی ہو اور آپ کو ستایا نہ ہو! دور جاہلیت میں ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کیا چیز لیں اور کیا نہ لیں حتی کہ آپ کے ذریعہ اللہ نے ہمیں ہدایت سے نوازا اور آپ کی وجہ سے ہمیں ہلاکت سے چھڑایا۔ قافلے والوں نے اس پر جھوٹ باندھا اور آپ کے پاس مبالغہ آمیزی سے کام لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"قافلے کا ذکر چھوڑیئے، ہم نے سرزمین تہامہ میں کسی دور ونزدیک کے رشتے دار کو نہیں دیکھا جو خزاعہ سے زیادہ اطاعت شعار ہو۔"

آپ ﷺ نے نوفل بن معاویہ کو خاموش کرا دیا۔ جب وہ خاموش ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں نے اسے معاف کیا، نوفل نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔" (واقدی)

8۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن صحابہ کرام کو اس بات کا حکم دیا کہ چار افراد کو کسی بھی صورت قتل کر دیا جائے اور فرمایا کہ "اگر وہ کعبہ کے پردے کے ساتھ لٹکے ہوئے کیوں نہ ہوں۔" ان کے نام یہ ہیں: 1۔ عکرمہ بن ابی جہل 2۔ عبداللہ بن خطل 3۔ مقیس بن صبابہ 4۔ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح۔ ان چار آدمیوں کے علاوہ باقی تمام کو امن دے دیا گیا۔ (سنن نسائی)

ان میں سے دو قتل کر دئے گئے اور دو معاف کر دئے گئے۔ جو لوگ قتل کر دئے گئے، وہ یہ تھے:

1۔ عبد اللہ بن خطل: یہ شخص کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکا ہوا تھا اسے پکڑ لیا گیا، سعید بن حارث اور عمار بن یاسر اس کی طرف دوڑے، سعید زیادہ جوان تھے انھوں نے عمار بن یاسر سے آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا۔

2۔ مقیس بن صبابہ: اس شخص کو لوگوں نے بازار میں پکڑ کر قتل کر دیا۔

جن دو افراد کو معافی دے دی گئی وہ یہ تھے:

1۔ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح: شخص رسول اللہ ﷺ کا یہ کاتب تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گیا، آپ نے اسے پناہ دی، کیونکہ یہ آپ کا رضاعی بھائی بھی تھا۔

2۔ عکرمہ بن ابو جہل: یہ شخص بحری جہاز میں سوار ہو گیا اور جہاز آندھی کی زد میں آ گیا، جہاز والوں نے کہا: توحید کے قائل ہو جاؤ، اس لئے کہ تمہارے بت تمہارے کچھ کام نہیں آتے۔ عکرمہ نے کہا:

"بخدا اگر سمندر میں ایک خدا نجات دیتا ہے تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا۔

"اے اللہ میں تیرے حضور دعا کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس مصیبت سے نجات دے دی تو میں محمد ﷺ کے پاس جا کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا اور میں انہیں معاف کرنے والا اور سخی پاؤں گا۔ چنانچہ عکرمہ نے اسلام قبول کیا۔

عہد صدیقی میں گستاخوں کا انجام:

ایک خاتون جس نے رسول اللہ ﷺ کی برائی میں گیت گایا تھا اور راہ فرار اختیار کی اس کے متعلق آپ نے مہاجر بن ربیعہ کو لکھا: " اگر میں پہلے فیصلہ کر چکا ہوتا تو تجھے اس عورت کو قتل کرنے کا حکم دیتا، اس لئے کہ انبیاء کی حد دیگر حدود کے مشابہ نہیں ہوتی جس مسلم یا معاهد نے اس کا ارتکاب کیا تو وہ مرتد، محارب اور عہد شکنی کرنے والا ہے۔" (تاریخ الطبری)

عہد فاروقی میں گستاخوں کا انجام:

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جو رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا، پھر فرمایا:

" جو اللہ اور اس کے رسول کو گالی دے اسے قتل کر دیا کرو۔"

شاتم رسول کا فرہے: غیر اسلامی بے دین، اور جمہوری ومارکسی وسوشلسٹ ممالک میں کوئی بھی شاتم رسول اسلامی سزاء سے بچ سکتا ہے لیکن وہ الٰہی سزا و عتاب سے ہر گز نہیں بچ پائے گا، اپنے جیتے جی وہ ذلت و رسوائی کو پہنچ جائے گا اور اپنی ذلت کا بذات خود مشاہدہ کرے گا اس کی مثال سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین کی زندگی ہے، آخرت میں ایسے لوگوں کا انجام بدترین ہو گا، اس ضمن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾

"ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کان کا کچا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ وہ کان تمہارے بھلے کے لئے ہیں وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے جو اہل ایمان ہیں یہ ان کے لئے رحمت ہے، رسول اللہ ﷺ کو جو لوگ ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دکھ کی مار ہے۔" (سورۃ التوبہ: 61)

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ

فِي الْأَذَلِّينَ﴾

"بے شک اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی جو لوگ مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔" (سورۃ المجادلہ:20)

ایسے ہی ایک شخص کا واقعہ صحیح بخاری میں مذکور ہے ایک شخص عیسائی تھا، پھر وہ اسلام میں داخل ہو گیا تھا، اس نے سورۃ البقرۃ اور آل عمران پڑھ لی تھی اور وہ نبی ﷺ کا منشی بن گیا تھا لیکن پھر وہ شخص مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا اور کہنے لگا کہ محمد کے لئے جو کچھ میں نے لکھ دیا ہے اس کے سوا انہیں اور کچھ بھی معلوم نہیں، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی موت واقع ہو گئی اور اس کے آدمیوں نے اسے دفن کر دیا، جب صبح ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ اس کی لاش قبر سے نکل کر زمین کے اوپر پڑی ہے، عیسائی لوگوں نے کہا کہ یہ محمد اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے، چونکہ ان کا دین اس نے چھوڑ دیا تھا، اس لئے انہوں نے اس کی قبر کھود دی ہے، اور لاش کو قبر نے باہر نکال کر پھینک دیا، چنانچہ دوسری قبر انہوں نے کھودی جو بہت زیادہ گہری تھی لیکن جب صبح ہوئی تو پھر لاش باہر تھی، اس مرتبہ انہوں نے یہی کہا کہ یہ محمد اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے چونکہ ان کا دین اس نے چھوڑ دیا تھا، اس لئے اس کی قبر کھود کر انہوں نے لاش باہر پھینک دی، پھر انہوں نے (تیسری مرتبہ) قبر اتنی گہری کھودی جتنی گہری ان کے بس میں تھی، اور اسے دفن کر دیا لیکن صبح ہوئی تو پھر لاش باہر تھی، اب انھیں یقین آیا کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں بلکہ یہ میت اللہ کے عذاب میں گرفتار ہے) چنانچہ انہوں نے اسے یونہی (زمین پر) چھوڑ دیا۔ (صحیح بخاری:3617)

گستاخ رسول سے کوئی دوستی نہیں:

اہل ایمان کو اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ گستاخ رسول اور گستاخ دین کے مرتکب سے ہرگز دوستی نہ رکھیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

"اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے) کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے اور جنہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں، یہ خدائی لشکر ہے آگاہ رہو، بے شک اللہ کے گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں۔" (سورۃ المجادلہ:22)

اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو ناموس رسالت کے تحفظ کا پاسدار بنائے اور رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کو تمام انسانیت تک پھیلانے اور پہنچانے اور تمام مسلمانوں کو احیائے سنت کی توفیق و سعادت عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

مؤمن اور منافق کی مثال

نبی ﷺ نے فرمایا:

"مومن کی مثال پودے کی سب سے پہلی نکلی ہوئی ہری شاخ جیسی ہے؛ کہ ہوا اُسے کبھی جھکا دیتی ہے، اور کبھی برابر کر دیتی ہے۔

اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت جیسی ہے؛ کہ وہ سیدھا ہی کھڑا رہتا ہے، اور آخر ایک جھوکے میں کبھی اُکھڑ ہی جاتا ہے!۔" (صحیح بخاری: 5643)

☆☆☆

ایک غلطی جس کی اصلاح ضروری ہے

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ ایک واضح بات ہے کہ اگر ہم کسی مسلمان کو پاتے ہیں کہ وہ شراب پیتا ہے، سگریٹ پیتا ہے یا اپنا کپڑا ٹخنے سے نیچے بطور تکبر لٹکاتا ہے تو ہم اس سے اس طرح نفرت نہیں کریں گے جس طریقے سے ہمیں کافر سے نفرت ہوتی ہے۔

چنانچہ اگر کوئی شخص اس سے کافر جیسی نفرت کرتا ہے تو اس کا یہ عمل حقیقت اور فطرت کے برخلاف ہے۔

ایک کافر اور ایک نافرمان مومن دونوں کو آپ کیسے برابر قرار دے سکتے ہیں؟ درحقیقت یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

بسا اوقات کچھ لوگ ایسے شخص سے کافر سے زیادہ نفرت کرتے ہیں۔

نعوذ باللہ یہ حقیقت و فطرت سے انحراف ہے۔ مومن خواہ کیسا بھی ہو وہ کافر سے بہر حال بہتر ہوتا ہے۔ (شرح ریاض الصالحین)

☆☆☆

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جب تم دیکھو کہ کوئی شخص کسی صحابی کی برائی کر رہا ہے تو سمجھ لو اس کا اسلام مشکوک ہے۔"

(البدایہ والنہایہ)



آخری تشہد کے بعد سلام سے پہلے کی دعائیں

حدیث نمبر:118

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عَنْه قَالَ : «كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدْعُو في صلاته : اللّهُمّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجّالِ». وفي لفظ لمسلمٍ : «إِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَعِذْ بِاَللّهِ مِنِ أَرْبَعٍ. يَقُولُ : اللّهُمّ إنّي أَعُوذُ بِكَ مِنِ عَذَابِ جَهَنّمَ ـــ ثم ذَكَرَ نَحْوَهُ».

(رواه البخاري، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر، برقم 1377، ومسلم بنحوه، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب ما يستعاذ منه في الصلاة، برقم 131- (588). رواه مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب ما يستعاذ منه في الصلاة، برقم 128- (588)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں یہ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے قبر کے عذاب اور جہنم کے عذاب سے زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنے سے مسلم کی روایت میں ہے جب تم میں سے کوئی ایک تشہد پڑھے تو اس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چار چیزوں کی پناہ مانگے اس طرح کہے "اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے پھر مذکورہ باتوں کا ذکر کیا۔ (یعنی قبر کا عذاب زندگی اور موت کے فتنے اور دجال کے فتنے سے پناہ طلب کرنا)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 - يَدْعُوْ :وہ دعا کرتا ہے یا کرے گا۔

2 - اِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ :میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔

3 - فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ :زندگی اور موت کا فتنہ۔

4 - اِذَا تَشَهَّدَ:جب کوئی تشہد پڑھے۔

5 - فَلْيَسْتَعِذْ :پس چاہیے کہ وہ پناہ مانگے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1: نماز میں سلام سے پہلے دعا کی مشروعیت اور اس کا اہم ہونا۔

2: نماز میں مسنون دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ ان میں جامعیت ہے اور ان میں دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی جب کہ انسان کے اپنے الفاظ میں وہ جامعیت اور فوائد نہیں ہوسکتے ہیں جو دعا سنت سے ثابت ہے کیونکہ جوامع الکلم رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہیں۔

3: قبر کا عذاب برحق ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس سے پناہ مانگنا اور ان اعمال سے بچنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے جن کی وجہ سے قبر کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو قبر کے عذاب کے منکر ہیں یا قبر کے متعلق تاویلات کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ عذاب دینے پر قادر ہے۔ مومن وہ ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کی بتائی ہوئی باتوں پر من وعن ایمان لاتا ہے اور کسی تذبذب اور شک کا شکار نہیں ہوتا ہے کیونکہ تذبذب اور شک ایمان کے منافی ہیں۔

4۔ زندگی کے بھی فتنے ہیں یعنی آزمائش اور امتحان وغیرہ ایک مومن کو چاہیے کہ زندگی کا ہر لمحے اللہ اور رسول ﷺ کی بتائی ہوئی ہدایت کے مطابق گذارے اور خواہشات کی تکمیل میں کبھی بھی شیطان کی اتباع نہ کرے۔ زندگی کے فتنوں سے بچنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس سے بچنے کی دعا کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق کے بغیر انسان نہ کوئی نیکی کر سکتا ہے اور نہ کسی برائی سے بچ سکتا ہے۔

5۔ موت کے فتنے بھی بہت ہیں مثلاً موت کے وقت ایمان کا نصیب رہنا اور کفر و شرک وغیرہ نہ کرنا اور اسی طرح موت کے بعد قبر کے سوال و جواب بھی موت کے فتنے ہی ہیں۔ دنیا میں ایسے اعمال کرنا جن سے موت کے وقت اور موت کے بعد فتنوں سے بچا جاسکتا ہے اور اعمال کے ساتھ ساتھ دعا جیسے عظیم عمل کو کبھی بھی نہیں بھولنا چاہیے کیونکہ بغیر اللہ کی مدد اور توفیق کے انسان کسی فتنے سے نہ بچ سکتا ہے اور نہ سرخرو ہوسکتا ہے۔

6۔ حدیث میں نماز کے آخر پر دعا کے لیے دو لفظ آئے ہیں ایک دعا اور دوسرا ذکر جن احادیث میں دعا کا لفظ آیا ہے اس دعا کا تعلق عموماً تشہد کا آخر اور سلام سے پہلے کا وقت ہے اور جن میں ذکر کا لفظ آیا ہے اس سے مراد سلام کے بعد کا وقت مراد ہے۔

7۔ دعا اتنا اہم اور اللہ کو محبوب عمل ہے کہ سید البشر حضرت محمد ﷺ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے مانگنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح باقی اہل ایمان کو۔

8۔ اس میں توحید کی بہت بڑی دلیل ہے کہ سید البشر حضرت محمد ﷺ سمیت تمام مخلوق اللہ مالک کی محتاج ہے اور نبی کریم ﷺ سمیت تمام انس و جن اللہ کی عبادات کے مکلف ہیں۔

9۔ اس میں صوفیاء کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ خاص لوگ عام لوگوں کی عبادات کے مکلف نہیں ہیں۔ یہ نظریہ رکھنا کہ عام لوگ ظاہری جیسے نماز، روزہ اور دعا وغیرہ عبادات کے مکلف ہیں اور خاص لوگ ایسی عبادات سے بلند ہیں باطل ہے کیونکہ سید البشر حضرت محمد ﷺ سے زیادہ خاص کون ہوسکتا ہے اور آپ ﷺ کی حالت یہ تھی کہ آپ اللہ کے عذابوں سے سب

سے زیادہ ڈرنے والے اور نماز و روزہ اور دعا سمیت تمام عبادات میں سب سے بڑھ کر کرنے والے تھے۔

10: اللہ عزوجل کے ہاں سب سے بڑا مقام اس کا ہے جو عاجزی و انکساری اور عبادات میں سب سے زیادہ ہے اور یہ شرف صرف سید البشر حضرت محمد ﷺ کو حاصل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ہی خبر دی کہ انی اخشٰکم للہ واتقاکم یعنی تم میں سب سے زیادہ ڈرنے والا اور متقی میں محمد ﷺ ہوں۔

11: تمام عبادات میں دعا کا افضل ہونا ثابت ہوتا ہے اور در حقیقت تمام عبادات میں دعا شامل ہے۔

حدیث نمبر:119

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رضي الله عنه : أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ : «عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي. قَالَ : قُلِ : اللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْماً كَثِيراً، وَلا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إلاّ أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنِ عِنْدِكَ، وَارْحَمْنِي إنّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ».

(رواه البخاري، كتاب الأذان، باب الدعاء قبل السلام، برقم 834، ومسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذكر، برقم 2705، برقم 817، ومسلم، برقم 217- (484) لمسلم، برقم 52- (705)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا مجھے دعا سکھلایئے جو میں اپنی نماز میں مانگوں آپ نے فرمایا: تم یہ کہو (یعنی اپنی نماز میں) اے اللہ میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور گناہوں کو صرف تو ہی بخش سکتا ہے پس اپنے پس سے مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 - عَلِّمْنِيْ: آپ مجھے سکھلایئے۔

2 - اَدْعُوْ بِهٖ: ان کلمات کے ذریعے میں مانگو۔

3 - فِيْ صَلَاتِيْ : اپنی نماز میں۔

4 - اَللّٰهُمَّ: اے اللہ / الٰہی۔

5 - اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ : میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

6 - لَا يَغْفِرُ : نہیں بخشتا ہے / نہ بخشے گا۔

7 - الذُّنُوْبَ : گناہوں۔

8 - فَاغْفِرْ لِيْ: پس تو مجھے بخش دے۔

9 - مَغْفِرَةً: بخشش۔

10 - مِّنْ عِنْدِكَ : اپنے پاس سے۔

11 - وَارْحَمْنِيْ: اور تو مجھ پر رحم فرما۔

12 - الْغَفُوْرُ: بہت بخشنے والا۔

13 - الرَّحِيْمُ: بہت مہربان۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ نماز میں مسنون دعاؤں کا اہتمام کرنا جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں سب سے افضل ہیں اور آپ عربی ہیں اس کے باوجود آپ نے دعا کے لیے کلمات رسول اللہ ﷺ سے سیکھے۔

2۔ شاگرد جب استاذ سے کوئی علم و عمل کی بات پوچھے تو استاذ کو چاہیے کہ وہ اس کی راہنمائی کرے جیسا کہ سب سے بہترین معلم نے کیا۔

3۔ دعا میں اپنی عاجزی، بے بسی، اور کوتاہیوں وغیرہ کا اعتراف کرنا اور اللہ مالک کی تعریف کرنا دعا کی فضیلت اور دعا کے قبول و مقبول ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

4۔ امت محمدیہ کا سب سے افضل فرد جب اللہ کے حضور اقرار کرتا ہے کہ میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے تو باقی کوئی شخص کیسے اپنے آپ کو پاک کہ سکتا ہے یا کوئی اپنے آپ کو یا دوسرے کو کیسے اللہ کے سامنے گناہوں سے پاک صاف سمجھ سکتا ہے۔

5۔ ہر مومن گناہوں اور کوتاہیوں سے بچنے کی پوری کوشش کے باوجود بہت سے گناہ اور کوتاہیاں کا شکار ہو جاتا ہے اس لیے اللہ کے حضور ہمیشہ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرنا چاہیے اور اس سے معافی مانگنی چاہیے کیونکہ کسی بھی مومن کا یہ کردار اللہ کو بہت محبوب ہے یہی وجہ ہے کہ سید البشر حضرت محمد ﷺ باوجود معصوم ہونے کے کثرت سے استغفار کرتے رسول اکرم ﷺ ایک ہی مجلس میں سو سو بار اللہ مالک سے استغفار کرتے اور یہ عمل اللہ کو اتنا پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خاص حکم دیا کہ فسبح بحمد ربک و استغفر۔ آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور استغفار کریں۔ اور یہ توحید کی بڑی دلیل ہے کہ مخلوق میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کے سامنے دعا کے طور ہاتھ پھیلائے جائیں بلکہ دعا سمیت تمام عبادات صرف اللہ معبود برحق کے ساتھ خاص ہیں۔

6: نماز میں دعا کا خاص اہتمام کرنا رسول اللہ ﷺ کی عظیم الشان تعلیم ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے مسلمانوں کی اکثریت کی نمازیں مسنون دعاؤں سے خالی ہیں اور نماز کے بعد رسمی دعاؤں کی بھرمار ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسنون دعاؤں اور اعمال کا بہت خیال رکھتے تھے جبکہ آج کل مسلمانوں کی دعاؤں اور اعمال میں مسنون مفقود ہے۔ بدعات اور شرک کی کثرت ہے الامن رحم ربی۔

حدیث نمبر:120

عَنْ عائشة رضي الله عَنْها قَالَتْ : «مَا صَلّى رَسُولُ اللهِ ﷺ صلاةً ــ بَعْدَ أَنْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ﴾ ــ إلاّ يَقُولُ فِيهَا : سُبْحَانَكَ اللّٰهُمّ رَبّنَا وَبِحَمْدِكَ، اللّٰهُمّ اغْفِرْ لِي». وَفِي لَفْظٍ : «كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ : سُبْحَانَكَ اللّٰهُمّ رَبّنَا وَبِحَمْدِكَ، اللّٰهُمّ اغْفِرْ لِي».

(رواه البخاري، كتاب الأذان، باب الدعاء في الركوع، برقم 794، وباب التسبيح والدعاء في السجود، برقم 817، ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب ما يستعاذ منه في الصلاة، برقم 484)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ

ﷺ نے سورۃ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ کے نزول کے بعد کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں یہ دعا نہ پڑھی ہو: "سُبْحَانَكَ اللّٰھمّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰھمّ اغْفِرْلِيْ"

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع اور سجدے میں کثرت سے یہ دعا مانگا کرتے تھے: "سُبْحَانَكَ اللّٰھمّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰھمّ اغْفِرْلِيْ"

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 - اِذَا جَاءَ :جب وہ آیا۔

2 - نَصْرُ اللّٰہِ :اللہ کی مدد۔

3 - الْفَتْحُ:فتح/کامیابی۔

4 - بَعْدَ اَنْ نَزَلَتْ عَلَيْہِ :آپ پر نازل ہونے کے بعد۔

5 - اللّٰھُمّ اغْفِرْ لِيْ:اے اللہ تو مجھے بخش دے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔نماز میں جس طرح تشہد کے آخر میں دعا کا مقام و محل ہے اسی طرح رکوع و سجود میں بھی دعا کی فضیلت ہے۔

2۔دعاؤں میں اللہ سے اپنی بخشش طلب کرنے کی فضیلت ہے۔بخشش طلب کرنے سے اللہ گناہ معاف کرتے ہیں اور درجات بلند کرتے ہیں۔

3۔مغفرت طلب کرنے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ بندے سے گناہ سرزد ہو تو پھر ہی بخشش مانگے بلکہ بغیر گناہ کے بھی اللہ سے معافی مانگے کیونکہ یہ عمل عبادت ہے اور اللہ مالک کو بہت پسند ہے۔

4۔رسول اللہ ﷺ معصوم ہیں اس کے باوجود کثرت سے توبہ اور استغفار کرتے تھے کیونکہ یہ عبادت ہے اور توحید ہے کہ

جب سید البشر حضرت محمد ﷺ اللہ سے معافی مانگتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں تو اور کون ہے جو اس سے مستثنیٰ ہو۔

5۔توبہ اور گناہ کی معافی صرف اللہ سے مانگی جاسکتی ہے کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت کا حق صرف اللہ مالک کا ہے کسی بھی اور کی عبادت کرنا شرک ہے۔

6۔جس طرح بدنی اور مالی عبادات ہیں اسی طرح زبان کی بھی عبادات ہیں اور زبان کی عبادت دعا اور ذکر ہے۔اللہ کے علاوہ نہ کسی سے دعا کی جاسکتی ہے اور نہ ہی کسی کا ذکر۔

7۔تمام مخلوقات سمیت انبیاء کرام علیہم السلام کے اللہ کے سامنے فقیر، محتاج اور بندے ہیں۔

8۔نماز میں مسنون دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ مسنون دعائیں جامع ہیں یعنی ان کے الفاظ تھوڑے ہیں مگر معنی و مفہوم بہت وسیع ہے اور مسنون دعاؤں میں تکلف و تصنع بھی نہیں ہے۔غیر مسنون دعاؤں میں بھی ایسی دعاؤں سے پرہیز کرنا چاہیے جن کے الفاظ پر تکلف اور محض تصنع والے ہو۔دعا کے کلمات انتہائی سادے اور دل سے ہونے چاہئیں یعنی خشوع وخضوع ہونا چاہیے۔ آج کل اکثر دعاؤں میں (خصوصاً رمضان میں قنوت وتر اور کئی دوسرے موقعوں پر اجتماعی دعا میں) بہت تکلف اور تصنع آچکا ہے۔الامن رحم ربی۔جس سے دور رہنا چاہیے۔

9۔ہر معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات انتہائی شاندار ہیں حتی کہ دعا میں بھی۔

10۔دعاء کے آداب کا خیال رکھنا بہت اہم ہے۔

11۔جن اوقات یا موقعوں پر دعاء کی قبولیت کے زیادہ امکانات ہوں وہاں دعاء کرنے کی فضیلت ہے۔

12۔دعاء کی قبولیت کے زیادہ امکانات کے اوقات اور مواقعوں میں سے ایک نماز ہے۔نماز کے اندر دعاؤں کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ بندہ اللہ کے قریب سب سے زیادہ نماز میں ہی ہوتا ہے۔

☆☆☆

علامہ محمد تقی الدین ہلالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ مصیبت جو مسلمانوں پر بالعموم اور اہل عرب پر بالخصوص آئی ہوئی ہے یعنی دنیا کے مٹھی بھر یہودیوں نے چھ سو ملین مسلمانوں اور ایک سو ملین عربوں سے مسجد اقصیٰ کو چھین لیا ہے۔مسلمان اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود مسجد اقصیٰ کو بازیاب کرانے میں ناکام ونامراد رہے۔بلکہ جب کبھی مسجد اقصیٰ کی بازیابی کیلئے لیے انہوں نے کوشش بھی کی تو انہیں الٹے پاؤں واپس ہونا پڑا اور دوسری اراضی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔اور ایسا کئی بار ہوا۔

آج تک مسلمان مسلسل تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں اور نجات کا کوئی راستہ انھیں نظر نہیں آرہا ہے۔حالانکہ جسے بھی ایمان اور علم کی کچھ روشنی ملی ہوئی ہے اس کے لیے وہ راستہ عیاں اور واضح ہے اور وہ ہے قرآن اور سنت رسول ﷺ کی طرف واپسی۔

اللہ کی قسم مسلمانوں کے اوپر سے یہ مصیبت اسی وقت دور ہوسکتی ہے جب مسلمان اپنی موجودہ روش سے توبہ کرکے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے لگیں اور اہل ایمان کا راستہ اختیار کر لیں۔ہمارے بس میں نصیحت اور دعا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔اللہ تعالی ہی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔(سبیل الرشاد: 44/3)

☆☆☆

اقوال زریں

لازلت أتعجب ممن يجد وقتاً لكل شيء ، للنوم ، وللأكل ، وللترفيه ، وللجوال .

ولكنه لايجد وقتاً لقراءة القرآن .

أقسم بالله إنه لمحروم.

مجھے تعجب ہوتا ہے اس شخص پر جسے ہر چیز کے لئے وقت مل جاتا ہے:

- سونے کے لئے
- کھانے پینے کے لئے
- تفریح کے لئے
- موبائل کے لئے
- مگر اسے وقت نہیں ملتا تو صرف قرآن کی تلاوت کرنے کے لئے
- اللہ کی قسم ایسا شخص محروم وبدنصیب ہے۔

☆☆☆



حضرت اویس قرنی کی کرامت

تابعین میں حضرت اویس قرنی کی کرامت بہت مشہور ہے ، یہ اپنی والدہ کے فرمانبردار تھے ، خود برص کی بیماری میں مبتلا تھے چنانچہ انہوں نے اللہ سے دعا کی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی تھی۔ اس طرح وہ مستجاب الدعوات تھے ، لوگ ان کے پاس آتے تھے اور شفا کی دعا کی درخواست کرتے تھے۔ حضرت اویس قرنی ان کے لئے دعا کرتے تھے، اللہ کریم نے انہیں شفا عطا فرمائی تھی، وہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں موجود تھے مگر آپ ﷺ سے ملاقات نہ کر سکے، نبی کریم ﷺ نے آپ کی مجبوری کی وجہ سے آپ سے ملاقات کرکے صحابی بن جانے پر اصرار نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ اویس قرنی سے ملاقات ہو تو اُن سے اپنی بخشش کی دعا کی درخواست کرو۔ (صحیح مسلم:221)

غار والوں کی کرامات

حدیث میں ہے کہ تین آدمی پیدل چلے جا رہے تھے کہ انہیں بارش نے آلیا، انہوں نے پہاڑ میں ایک غار کی پناہ لی، تو (اچانک) ان کے غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک چٹان آ گری اور ان کے اوپر آ کر انہیں ڈھانک دیا، انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: تم اپنے ان نیک اعمال پر نظر ڈالو جو تم نے (صرف اور صرف) اللہ کے لیے کیے ہوں اور ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، شاید وہ اس بندش اور قید سے تمہیں آزاد کر دے۔ اس پر ان میں سے ایک نے کہا: «اللّٰهُمَّ» اے اللہ! میرے انتہائی بوڑھے والدین، بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جن کی میں نگہداشت کرتا ہوں۔ جب شام کو میں اپنے جانور (چرانے کے بعد انہیں) ان کے پاس واپس آتا، ان کا دودھ دوہتا تو آغاز اپنے والدین سے کرتا اور اپنے بچوں سے پہلے انہیں پلاتا تھا۔ ایک دن (مویشیوں کے چرنے کے قابل) درختوں کی تلاش مجھے بہت دور لے گئی، میں رات سے پہلے گھر نہ پہنچ سکا۔ میں نے انہیں پایا کہ وہ دونوں سو چکے ہیں۔ میں نے جس طرح (ہر روز) دودھ نکالا کرتا تھا نکالا اور وہ دوھا ہوا دودھ لے کر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ مجھے یہ بھی ناپسند تھا کہ ان کو نیند سے جگاؤں اور یہ بھی گوارا نہ تھا کہ ان سے پہلے بچوں کو پلاؤں، بچے بھوک کی شدت سے بلکتے ہوئے میرے قدموں میں لوٹ پوٹ ہو رہے تھے، میں اسی حال میں (کھڑا) رہا اور وہ بھی اسی حالت میں رہے یہاں تک کہ صبح طلوع ہو گئی۔ (اے اللہ!) اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ صرف تیری رضا کے لیے کیا ہے تو اس (غار کے بند منہ) میں اتنا سوراخ کر دے کہ ہم آسمان کو دیکھ لیں۔ اللہ نے اس میں ایک سوراخ کر دیا کہ وہ آسمان کو دیکھنے لگے۔ اور دوسرا (ساتھی) کہنے لگا: «اللّٰهُمَّ» اے اللہ! میری ایک چچازاد تھی، میں اس سے وہی شدید محبت کرتا تھا جو ایک مرد عورت سے کرتا ہے۔ میں نے اس سے اپنے لیے (خود) اسی کو مانگا۔ اس نے اس وقت تک (میری بات ماننے سے) انکار کر دیا، یہاں تک کہ میں اسے (سونے کے) سو دینار لا کر دوں۔ میں انہیں حاصل کرنے میں لگ گیا یہاں تک کہ سو دینار اکٹھے کر لیے، پھر جب میں اس کے دونوں قدموں کے درمیان پہنچا تو وہ کہنے لگی: اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور حق (نکاح) کے بغیر مہر (بکارت) نہ توڑ۔ تو (تیرا نام سن کر) میں اس سے (الگ ہو کر) کھڑا ہو گیا۔ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ تجھے راضی کرنے کے لیے کیا تھا تو اس میں (اور زیادہ) سوراخ کر دے۔ (اللہ نے) ان کے لیے (اور زیادہ) سوراخ کر دیا۔ اور تیسرے نے (دعا کرتے ہوئے) کہا: «اللّٰهُمَّ» اے اللہ! میں نے ایک مزدور کو چاولوں کے ایک فرق (تین صاع، تقریباً ساڑھے سات کلو گرام) کی اجرت کے عوض کام پر لگایا۔ جب اس نے اپنا کام پورا کر لیا تو کہا: میرا حق (اجرت) ادا کرو۔ میں نے اسے اس کا فرق (تین صاع چاول) پیش کیا۔ وہ (اسے کم قرار دیتے ہوئے) اس کو چھوڑ کر چلا گیا۔ میں مسلسل اس (تین صاع چاولوں) کو کاشت کرنے لگا، یہاں تک کہ میں نے اس (کی آمدنی) سے گائے (کے بہت سے ریوڑ) اور ان کو چرانے والے (غلام) اکٹھے کر لیے۔ پھر (مدت بعد) وہ میرے پاس (واپس) آیا اور کہا: اللہ سے ڈرو، میرے حق میں مجھ پر ظلم نہ کرو۔ میں نے کہا: ان گایوں (کے ریوڑوں) اور انہیں چرانے والے (غلاموں) کی طرف جاؤ اور انہیں لے لو۔ اس نے کہا: اللہ سے ڈرو! میرے ساتھ مذاق تو نہ کرو۔ میں نے کہا: میں مذاق نہیں کر رہا، یہ سب گائیں اور ان کو چرانے والے (غلام) لے جاؤ، وہ انہیں لے کر چلا گیا۔ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ صرف تجھے راضی کرنے کے لیے کیا تھا تو جو حصہ باقی رہ گیا ہے، اسے بھی کھول دے۔ اللہ نے باقی حصہ بھی کھول دیا (اور وہ آزاد ہو کر غار سے باہر نکل آئے۔)" (صحیح مسلم: 6949)

حضرت سارہ علیہا السلام کی کرامت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہ کے ساتھ ہجرت کی اور انھیں لے کر ایک شہر پہنچے جہاں ایک سخت گیر ظالم حکمران تھا۔ اسے اطلاع دی گئی کہ حضرت ابراہیمؑ ایک خوبرو عورت کو لے کر آئے ہیں۔ اس نے حضرت ابراہیمؑ کو پیغام بھیجا کہ تمہارے ساتھ یہ عورت کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: یہ میری بہن ہے، پھر حضرت سارہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم نے میری بات کو جھٹلانا نہیں کیونکہ میں نے ان لوگوں کو بتایا ہے کہ تو میری بہن ہے۔ اللہ کی قسم! اس سرزمین پر میرے اور تیرے علاوہ کوئی دوسرا مومن نہیں ہے۔ پھر انھوں نے حضرت سارہ کو اس ظالم کے پاس بھیج دیا۔ وہ بادشاہ حضرت سارہ کی طرف بڑھنے کے لیے اٹھا تو انہوں نے کھڑے ہو کر وضو کیا، پھر نماز پڑھنے لگیں، پھر دعا کی: اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور میں نے اپنی شرمگاہ کو اپنے شوہر کے سوا محفوظ رکھا ہے تو اس کافر کو میرے اوپر مسلط نہ ہونے دے۔ اس پر بادشاہ کا سانس گلے میں پھنس گیا اور وہ گر کر ایڑیاں رگڑنے لگا۔“ حضرت اعرج نے ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے حضرت ابوہریرہؓ کا بیان نقل کیا کہ حضرت سارہ نے دعا کی: اے اللہ! اگر یہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ اسے اس (سارہ) نے قتل کیا ہے، چنانچہ وہ درست ہو گیا۔ پھر وہ (بُری نیت سے) اٹھ کر حضرت سارہ کی طرف جانے لگا تو وہ اٹھیں اور وضو کرنے کے بعد نماز شروع کر دی، پھر دعا کی: اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے بجز اپنے خاوند کے کسی کو اجازت نہیں دی تو اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ ہونے دے۔ اس پر وہ زمین پر گرا اور اس کا سانس حلق میں پھنس گیا حتیٰ کہ زمین پر ایڑیاں رگڑنے لگا۔“ حضرت عبدالرحمان نے ابو سلمہ کے حوالے سے حضرت ابوہریرہؓ کا بیان نقل کیا کہ حضرت سارہؓ نے دعا کی: اے اللہ! اگر یہ ظالم مر گیا تو کہا جائے کہ اس عورت نے اسے قتل کیا ہے تو وہ دوسری دفعہ بھی اچھا ہو گیا۔ پھر جب تیسری دفعہ بھی ایسا ہوا تو بادشاہ نے کہا: اللہ کی قسم! تم لوگوں نے ایک شیطان عورت کو میرے پاس بھیج دیا ہے۔ اسے حضرت ابراہیمؑ کے پاس لے جاؤ اور اسے آجر (حضرت ہاجرہؑ) بھی دے دو، چنانچہ حضرت سارہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس واپس آئیں اور فرمایا: تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو ذلیل وخوار کیا اور اس نے ایک لڑکی خدمت گزاری کے لیے بھی ساتھ دی ہے؟ (صحیح بخاری: 2217)

حضرت جریج راہب بھی اللہ کے ولی تھے!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جریج ایک عبادت گزار آدمی تھے، انہوں نے بستی سے باہر ایک عبادت گاہ بنا لی تھی، جس میں وہ رہا کرتے تھے، ایک دن ان کی ماں آئیں اور جریج کو آواز دیں، جریج عبادت میں مصروف تھے، ماں کی پکار پر لبیک نہیں کہا، ماں واپس چلی گئی۔ دوسرے دن ماں پھر جریج کی عبادت گاہ کے قریب آئیں اور جریج کو آواز دی، جریج پھر عبادت میں مصروف تھے، مناسب نہیں سمجھا کہ عبادت چھوڑ کر ماں کی طرف جائیں، دوسرے دن بھی ماں واپس چلی گئیں، اسی طرح تیسرے دن بھی جریج کی ماں آئیں اور جریج کو آواز دی، جریج پہلے دو دن کی طرح تیسرے روز بھی عبادت میں مصروف رہے اور مناسب نہیں سمجھا کہ عبادت چھوڑ کر ماں کو جواب دیں۔ ماں نے واپس جاتے ہوئے یہ بد دعا دی کہ اے اللہ! جریج کو اسی وقت تک موت نہ دینا، جب تک وہ زانیوں کا منہ نہ دیکھ لے۔ ایک بدکار عورت جو بہت ہی خوبصورت تھی، جریج کو اپنے جال میں پھنسانا چاہا، مگر اس میں وہ کامیاب نہ ہو سکی اور جریج کی عبادت گاہ کے قریب ایک چرواہا رہتا تھا، اس سے زنا کیا، جس کی وجہ سے وہ حاملہ ہو گئی، جب اس کے بچے کی ولادت ہوئی تو لوگ اکٹھے ہو گئے اور اس عورت سے اس کے باپ کے متعلق پوچھنے لگا، اسی عورت نے حضرت جریج کا نام بتایا تو لوگ غصہ میں جریج کی عبادت گاہ کو ڈھا دیا اور جریج کو زدوکوب کیا۔ جریج نے کہا کہ کیا بات ہے؟ کیوں مجھ پر ناراض ہو؟ لوگوں نے کہا کہ تم نے اس عورت سے بدکاری کی ہے۔ جریج نے کہا کہ اس بچے کو لے آؤ۔ وہ عورت بچہ لے آئی تو جریج نے کہا کہ مجھے کچھ عبادت کرنے کا موقع دیں، اس کے بعد اس نے بچہ سے پوچھا کہ اے بچے تیرے باپ کون ہے؟ بچہ نے جواب دیا کہ فلاں چرواہا! یہ سننا تھا کہ لوگ جریج کو چومنے لگے کہ ہماری تمہاری عبادت گاہ سونے کی بنا دیں گے۔ جریج نے کہا کہ نہیں، میری عبادت گاہ پہلے جیسی تھی وہی ہی مٹی کی بنا دو، چنانچہ لوگوں نے جریج کی عبادت گاہ کو مٹی کا بنا دیا۔

یہ جریج کی کرامت ہوئی کہ ایک نومولود بول اٹھا، جس سے لوگوں پر حقیقت حال آشکار ہو گئی اور جریج کی پارسائی لوگوں کے سامنے ہو گئی اور ماں کی بد دعا بھی پوری ہو گئی۔ (صحیح مسلم: 2550)

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیشہ عبادت کرنا اور ماں کے لیے وقت نہ دینا یہ بھی غلط ہے، حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کے لیے وقت نکالنا بھی ضروری ہے اور حقوق العباد میں ماں کا بہت بڑا درجہ ہے۔ اگر ماں تمہاری خدمت کی محتاج ہے تو ماں کے لیے بھی عبادت کم کر کے وقت دینا ضروری ہے۔

عبادت میں بھی اعتدال اور توسط چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب



آج کی نشست میں شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی چند خصوصی آراء کا بیان کیا جاتا ہے جو فقہ الزکاۃ کے متعلق ہیں اور جنہیں " ابراھیم ابو شادی کی الاختیارات الفقہیہ للامام الألباني سے لیا گیا ہے:

1۔ سال کے دوران ہی نصاب کو بیچ دینا یا اسے کسی غیر جنس سے بدل دینے کا حکم

سید سابق نے اپنی کتاب فقہ السنہ میں لکھا ہے کہ اگر ایسا کیا تو سال کا حساب از سر نو کرنا ہو گا۔ یعنی نصاب ختم ہو جانے کی بنا پر جتنا سال گزر گیا ہے۔ اس کا حساب نہ ہو گا، بلکہ جونہی نصاب دوبارہ مکمل ہو جائے گا، اس دن سے نئے سال کا شمار کیا جائے گا۔

شیخ البانی لکھتے ہیں کہ اس حکم کو مقید کیا جانا چاہیے کہ ایسے اتفاقا ہو گیا ہو نہ کہ زکاۃ سے بچنے کے لیے ایسا کیا گیا ہو، جیسا کہ بعض حنفی علماء نے حیلہ کے طور پر یہ صورت جائز ٹھہرائی ہے کہ وہ شخص جس کے نصاب مال پر سال پورا ہونے کے قریب ہے، تو وہ سال پورا ہونے سے پہلے پہلے اپنا سارا مال بیوی کو ہبہ کر دیتا ہے اور یوں اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی اور پھر جب سال پورا ہو گیا تو بیوی سے کہا کہ میرا ہبہ مجھے واپس کر دو، کیونکہ ان کے نزدیک ہدیہ کا واپس لے لینا بعض صورتوں میں جائز ہے۔

میرے نزدیک ایسا شخص جو اس حیلے کی بنا پر زکاۃ سے جان چھڑانا چاہتا ہو، سزا کا مستحق ہے اور بہز بن حکیم کی روایت کے مطابق نہ صرف اس سے زکاۃ لی جائے گی بلکہ اس کا آدھا مال بھی وصول کیا جائے گا، یہ جزاء اگر زکاۃ نہ دینے والے کے لئے تجویز کی گئی ہے تو جو شخص نہ دینے پر حیلہ سازی کرے تو وہ اس جزا کا زیادہ مستحق ہے۔

مذکورہ روایت میں اونٹوں کی زکاۃ کا ذکر ہے کہ اگر خود رو گھاس چرنے والے اونٹوں کی تعداد چالیس ہو جائے تو اس میں بنت لبون (جس کے دو سال پورے ہو چکے ہوں) واجب ہو گی، اونٹوں کا حساب رکھا جائے گا، جو شخص اجر کی نیت سے دے گا، اُسے اجر ملے گا اور جو نہ دے گا تو ہم اس کی زکاۃ لیں گے اور اس کے ساتھ اس کا آدھا مال بھی، کیونکہ یہ ہمارے رب عزوجل کی طرف سے ایک واجب حق بتایا گیا ہے، لیکن آل محمد ﷺ کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا۔" (احمد، نسائی، ابوداؤد، الحاکم، بیہقی)

2۔ زیورات کی زکات کا حکم

امام ابوحنیفہ، ابن حزم نے اس مسئلہ میں حس رائے کو اپنایا ہے اُسی کو شیخ البانی بھی راجح قرار دیتے ہیں اور وہ یہ کہ اگر زیورات، چاہے سونے کے ہوں یا چاندی کے، اگر نصاب کو پہنچ جائیں تو ان میں زکاۃ واجب ہو گی اور چاہے وہ قابل استعمال ہوں یا نہ ہوں، دونوں صورتوں میں زکاۃ ادا کی جائے گی۔

اس رائے پر چند دلائل کا ذکر کیا جاتا ہے:

1۔ عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس دو عورتیں آئیں جن کے ہاتھوں میں کنگن تھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: "کیا تم چاہتی ہو کہ قیامت کے دن اللہ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ انہوں کہا: نہیں! تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " تو پھر جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں ہے، اس کا حق ادا کرو۔ (شیخ البانی اس حدیث کو حسن درجے کی روایت قرار دیتے ہیں۔)

2۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ میرے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھیاں ہیں تو کہا: یہ کیا ہے عائشہ!" میں نے کہا: میں نے بنوائیں ہیں تاکہ آپ کے لئے بطور زینت پہنوں۔"

کہا کہ کیا اس کی زکاۃ ادا کرتی ہو؟ میں نے کہا: نہیں (یا یہ کہا کہ جو اللہ چاہے) تو کہا: تو پھر یہ تمہارا آگ کا حصہ نہ بن جائے۔" (سنن ابوداود، دار قطنی، الحاکم، بیہقی) یہ حدیث بھی مزید شواہد کی بنا پر حسن قرار دی گئی ہے۔

3۔ بخاری کی روایت ہے کہ

"چاندی میں دس میں سے چوتھائی حصہ ہے۔"

4۔ ایک اور روایت ہے:

"پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکاۃ نہیں ہے اور اگر ان کی مالیت دو سو درہم تک پہنچ جائے تو اس میں پانچ درہم ادا کرنے ہوں گے۔" (شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

5۔ ایک اور صحیح روایت ہے کہ جو شخص سونے کا مالک ہو اور پھر اس کا حق ادا نہ کرتا ہو تو اللہ اُس سونے کو آگ کی بیڑیوں سے بدل دے گا کہ جن سے اسے داغا جائے گا۔" (یہ تینوں روایات عمومی نوعیت کی نہیں لیکن اپنے حکم میں واضح ہیں۔)

6۔ سورۃ التوبہ کی آیت 34

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾

”اور جو لوگ سونا چاندی ذخیرہ کرتے رہتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں درد ناک عذاب کی خوش خبری دو۔“

7۔ سیدنا ابن مسعود کی اہلیہ نے ان سے زیورات کی زکاۃ کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے کہا: ”جب وہ دو سو درہم کی مالیت کے ہو جائیں تو ان کی زکاۃ ادا کر دنیا۔“

اہلیہ نے کہا، میری گود میں چند یتیم ہیں تو کیا انہیں دے سکتی ہوں؟ تو کہا کہ ہاں۔

(عبدالرزاق اور طبرانی نے صحیح لغیرہ کی سند سے روایت کیا ہے۔)

8۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ وہ اپنے خازن کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ وہ ہر سال ان کی بیٹیوں کے زیورات کی زکاۃ ادا کر دیا کریں۔ (دار قطنی حسن "سند کے ساتھ)

9۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے : ”زیورات پہننے میں کوئی حرج نہیں اگر ان کی زکاۃ ادا کر دی جائے۔“ (دار قطنی اور بیہقی حسن سند کے ساتھ)

یہ مذہب تابعین میں سے سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، عطاء، الزہری، سعید بن جبیر اور سفیان ثوری کا بھی ہے اور دلیل اور احتیاط دونوں اعتبار سے راجح ہے۔

3۔اموال تجارت پر زکاۃ

اموال تجارت سے مراد وہ تمام سامان تجارت ہے، جو فروخت کی غرض سے دکان میں لایا گیا ہے۔ جمہور علماء وفقہاء کہ جن میں ائمہ اربعہ شامل ہیں۔ ان کی رائے بھی ہے کہ اگر مذکورہ اشیاء پر ہجری سال گزر جائے اور وہ نصاب (یعنی بقدر 85 گرام سونا) تک پہنچ جائے تو اس پر زکاۃ واجب ہے، جیسے کے سونے پر یا چاندی پر (کہ جس کا نصاب 595 گرام) ہے، ان کے دلائل یہ ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ کا عمومی حکم، فرمایا :

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ﴾

(سورۃ البقرہ:267)

”اے ایمان والو! خرچ کرو اچھی چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے۔“

2۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے عمومی معنٰی سے اور وہ یہ کہ نبی ﷺ نے معاذ سے کہا تھا: ”اور پھر انہیں بتادینا کہ اللہ نے ان کے اموال میں صدقہ فرض کیا ہے۔“ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

3۔ دو آثار جن کی سند ضعیف ہے۔

الف: نبی ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ جو چیزیں ہم فروخت کے لئے لاتے ہیں، اس میں سے صدقہ دیا کریں۔ (سنن ابو داؤد، بیہقی)

ب: اونٹوں کا اپنا صدقہ ہے، بکریوں کا اپنا اور کپڑے کا اپنا۔ (مسند احمد، بیہقی اور دار قطنی)

4۔ قول عبد اللہ بن عمر: سامان تجارت میں زکاۃ نہیں ہے الا یہ کہ وہ تجارت کی غرض سے ہو۔ (امام شافعی نے کتاب الام میں اور عبد الرزاق نے المصنف میں اور بیہقی نے السنن میں اسے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

5۔ قول عبداللہ بن عباس ، کوئی حرج نہیں کہ فروخت کرنے تک انتظار کیا جائے، اور اس میں زکاۃ واجب ہے۔ (عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ)

6۔ ابن عبد القاری کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر کے زمانہ میں بیت المال کا ذمہ دار تھا، ان کا قاعدہ تھا کہ جب لوگوں کو ان کے عطیات دیئے جاتے تو وہ تاجروں کے اموال کو جمع کرتے اور پھر ان کا حساب کرتے، چاہے وہ مال حاضر ہوتا یا گودام میں ہوتا اور پھر حاضر مال میں سے حاضر اور غائب دونوں طرح کے اسوال کی زکاۃ نکال لیتے۔“ (ابن ابی شیبہ، ابوعبید ابنی کتاب الاموال میں اور ابن حزم نے المحلیٰ میں ذکر کیا، اسے صحیح قرار دیا لیکن اس کی تاویل کی۔)

7۔ حضرت عمر، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے ان اقوال اور تعامل کا کوئی مخالف نظر نہیں آیا اور صحابہ وتابعین کے زمانے سے اسی قول پر عمل کیا جاتا رہا ہے کہ سامان تجارت پر زکاۃ واجب ہے اور اس بات پر اجماع کا بھی دعوی کیا گیا ہے۔

شیخ البانی عروض تجارت پر زکاۃ کے وجوب کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے دلائل ملاحظہ ہوں:

1۔ یہ حکم اموال میں براءت اصلیہ کے قاعدے کے منافی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا : بے شک تمہارے خون، تمہاری عزتیں اور تمہارے اموال تم پر ایسے حرام ہیں جیسے آج کے دن کی، آج کے مہینہ میں اور تمہارے اس شہر کی حرمت ہے، خبر دار! کیا میں نے بات پہنچادی ہے؟ اے اللہ! گواہ رہنا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اس قاعدے کو سرے سے پس پشت ڈال دینا یا اس کی ایک اثر سے (جو صحیح بھی کیوں نہ ہو) سے تخصیص کرنا آسان نہیں ہے، اثر سے مراد حضرت عبد اللہ بن عمر کا قول ہے: عروض تجارت میں زکاۃ نہیں ہے، الّا یہ کہ وہ خاص تجارت کے لئے ہو۔“ (بروایت امام شافعی)

یہ اثر موقوف ہے، مرفوع نہیں ہے، اور پھر اس میں نہ نصاب کا بیان ہے اور نہ ہی اس بات کا کہ کیا دیا جائے، تو اس کا اطلاق مطلق زکاۃ پر کیا جاسکتا ہے کہ جو کسی زمانے یا کسی مقدار سے مقید نہیں ہے، بلکہ اس

کا دارومدار صاحب مال پر ہے کہ جتنا وہ خوشی سے دے سکتا ہو دے دے اور اس قسم کا اتفاق عمومی حکم کے طور پر ثابت ہے جیسے ارشاد فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم ﴾

"اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں رزق کے طور پر عطا کیا ہے، اس میں سے خرچ کرو۔" (سورۃ البقرہ: 254)

﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾

"اور فصل کے کاٹنے کے وقت اس کا حق ادا کرو۔" (سورۃ الانعام: 141)

اور جیسے نبی ﷺ کا ارشاد:

"کوئی بھی قوم ہو، ہر صبح ان کے ہاں دو فرشتے اترتے ہیں، تو ان میں سے ایک کہتا ہے، اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا کر اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! جو مال کو روکے رکھے اُسے تلف کر دے۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

سلف میں سے بعض اہل علم کے قول سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

ابن جریج، عطاء کا قول نقل کرتے ہیں: زکاۃ موتیوں، زبرجد، یاقوت نگینوں، سامان تجارت (عروض) میں نہیں ہے اور نہ ہی ان چیزوں میں جن کی تجارت نہیں کی جاتی اور اگر ان میں سے کوئی چیز تجارت کے لئے لائی گئی ہو تو جب وہ فروخت کر دی جائے تو اس کی قیمت میں ہو گی۔" (عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے اور اس روایت کے یہ الفاظ ہماری اس رائے کی شہادت دیتے ہیں:

"ففيه الصدقة فی ثمنه حين يباع"

"تو اس کی قیمت میں زکاۃ ہے، جب اسے فروخت کر دیا جائے۔"

امام البغوی کا شرح السنہ میں یہ کہنا کہ زکاۃ کے وجوب پر اجماع ہے، بالکل غلط ہے۔ عطاء سے پوچھا گیا کہ ایک تاجر کے پاس طرح طرح کا مال ہے، زکاۃ کا وقت آچکا ہے، کیا اس پر لازم ہے کہ اپنے مال کی قیمت کا اندازہ لگائے اور اور پھر اس کی زکاۃ نکالے؟ تو انہوں نے کہا: نہیں! ہاں اگر سونا اور چاندی ہو تو وہ اس کی زکاۃ نکالے گا، اور جو سامان بیع وشراء کے لئے ہو تو جب انہیں فروخت کرے گا تو پھر اس کی زکاۃ نکالے گا۔" (ابن زنجویہ، کتاب الاموال، حسن سند کے ساتھ)

2۔ شیخ البانی یہ بھی کہتے ہیں کہ عروض تجارت کا ذکر قرآن و حدیث میں متعدد مرتبہ آیا ہے اور یہ نبی ﷺ کے زمانے میں معروف و مشہور تھے، تو نبی ﷺ کا ان کے بارے میں کچھ نہ کہنا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ معاملہ ان معاملات میں سے ہے جس سے چشم پوشی روا رکھی گئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہ رائے شیخ البانی سے قبل ظاہریہ، امام شوکانی اور صدیق حسن خان کی بھی ہے، ابن حزم نے اپنی کتاب 'المحلی' میں بھی اس کی تصدیق کی ہے۔

لیکن شیخ البانی کا یہ بھی کہنا ہے کہ عروض تجارت میں گو زکاۃ واجب نہیں ہے لیکن جیسے پہلے ذکر کیا گیا، کوئی شخص بطیب خاطر (دل کی خوشی کے ساتھ) کچھ بھی دینا چاہے تو دے سکتا ہے اور اگر مال بک جائے تو پھر اس کی قیمت میں زکاۃ واجب ہو گی۔

☆☆☆

دعوتِ فکر و عمل

امام ذہبی رحمہ اللہ اپنی کتاب 'معجم المحدثین' (ص: 97) میں اپنا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

.... وجمع تواليف يقال مفيدة والجماعة يتفضلون ويثنون عليه وهو أخبر بنفسه وبنقصه في العلم والعمل والله المستعان ولا قوة إلا به وإذا سلم لي إيماني فيا فوزي"

"انہوں نے (یعنی امام ذہبی نے) کچھ کتابیں لکھی ہیں جنہیں لوگ مفید بتاتے ہیں۔ اور لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے بارے میں اور اپنے علم و عمل کی کمی و کوتاہی کے بارے میں بخوبی جانتے ہیں۔

ایک دوسری کتاب 'ذیل دیوان الضعفاء والمتروکین" (ص: 56) میں اپنا تعارف انہوں نے اس طرح کرایا ہے:

"سيء الحفظ ليس بالمتقن ولا بالمتقي. سامحه الله تعالى."

حافظ قوی نہیں اور نہ ہی حفظ میں اتقان و پختگی ہے اور نہ ہی متقی و پرہیزگار۔ اللہ معاف فرمائے۔

☆☆☆

یہ وہ لوگ تھے جو اپنے علم و عمل کے معیار کو جانتے تھے اور اپنے نفس کی قدر کو پہچانتے تھے اسی لئے ہمیشہ تواضع و انکساری اپنائے رہتے تھے جس کا صلہ اللہ نے انہیں یہ دیا کہ

علم حدیث میں درجہ امامت پر فائز کر دیا اور رہتی دنیا تک لوگ فن حدیث میں ان کی کتابوں کے محتاج رہیں گے۔

اس کے برعکس آج کچھ لوگوں کے علم و عمل کے بلند بانگ دعوے اور بڑے بڑے القاب و آداب کے سابقے ولاحقے دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ

تھوڑا سا علم حاصل کرنے اور کچھ لکھ لینے کے بعد اپنے آپ کو علامہ، مفتی، مصنف، صاحب طرز ادیب اور نہ جانے کیسے کیسے القاب خود بھی لکھتے ہیں اور دوسروں سے اس طرح کی چیزیں لکھوانا اور کہلوانا پسند کرتے ہیں۔

واللہ المستعان

☆☆☆



تاریخ اہل حدیث

ڈاکٹر بہاء الدین

یعنی شیطان نے وعدہ کیا ہے کہ میں تیرے بندوں سے بایں طور حصہ مقرر کروں گا کہ ہر برس وہ سو روپئوں میں سے اس قدر خدا کے غیر کی نیاز چڑھائیں، یا ہر برس اتنا غلہ فلاں بزرگ کے نام پر علیحدہ کریں اور ان کے دلوں میں باطل آرزوئیں ڈالی ہیں۔ مثلاً یہ مضمون سمجھایا ہے کہ جو شخص ان بزرگوں کی نیاز ادا کرے گا تو یہ بزرگ اس کی ضرور شفاعت کرکے جنت میں داخل کریں گے۔ نیز شیطان یہ حکم کرتا ہے کہ لوگ خدا کی پیدائش کو اسی طرح بدل ڈالتے ہیں کہ اپنے آپ کو خواجہ سرا بنا لیں، یا داڑھی کو منڈوا ڈالتے، یا کسی اور طرح اپنی شکل پلٹ لیتے ہیں نعوذ باللہ منھا۔ پس یہ سب شیطان کے داؤ ہیں کہ اوروں کو ثواب عطا کرنے کے بہانے سے آدمیوں کے دلوں میں شرک ڈالتا اور اپنے وعدوں کے پورا کرنے میں کوشش کرتا رہے۔ دیکھئے اگر لوگوں سے قرآن مجید کے ختم کا ثواب طلب کرتے ہیں تو وہ اس کے دینے میں کچھ بھی تامل نہیں کرتے۔ ایک روپیہ مانگنے پر ہزاروں حیلے پیدا کرتے ہیں۔ پس ان لوگوں کے دلوں میں آخرت کا ثواب کوئی وقعت نہیں رکھتا کیونکہ بے تکلف اوروں کو بخش دیتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کی نیکی اور بدی میزان عدالت میں برابر اتریں گی، حکم ہو گا کہ ایک بھلائی اور لے آ کہ تیری نیکی زیادہ ہو جائے اور جنت کا مستحق ہو۔

پس یہ شخص ہر ایک عزیز کے آگے التجا کا ہاتھ لے جائے گا۔ مگر ماں باپ اور بیوی، بچے ایک بھلائی تک دینے سے انکار کر دیں گے۔ غرض کہ ایک نیکی ڈھونڈے نہ ملے گی۔ آج کیا شوخ چشمی اور بے خوفی ہے کہ ہزاروں نیکیوں کے بخشنے میں بھی دریغ نہیں کرتے۔ مگر بات یہ ہے کہ یہ لوگ اعمال کی قدر اور آخرت کا خوف نہیں رکھتے۔ بلکہ اعمال کو نہایت ضعیف اور ہلکا جانتے ہیں۔

اب ثواب کے بخشنے کی حقیقت سمجھنی چاہیے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ایک شخص کا ثواب بخشا دوسرے شخص کو نہیں پہنچتا اور اس پر دلیل خدا تعالی کا قول:

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾

ہے۔

یعنی ہر ایک کے لئے اسی چیز کا نفع ہے جو اس نے کمایا اور خاص اسی پر ضرر ہے جو ان سے حاصل کیا۔ علاوہ ازیں اور بہت سی آیات واحادیث اسی معنی پر دلالت کرتے ہیں اور یہ قیاس کے بھی مخالف ہے کہ جب ابھی تک جناب الٰہی میں عمل کا قبول ہونا اور نہ ہونا ظاہر نہیں ہوا، اور جزا اس شخص کے ہاتھ میں نہیں ہے تو دوسروں کو کیا بخش سکتا ہے۔ اور بعض علماء جیسے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بدنی اعمال کا ثواب جیسے نماز روزہ وغیرہ دوسروں کو نہیں پہنچتا، ہاں عبادت مالی کا ثواب جیسے کہ کھانا کھلانا، کنواں کھودنا، پل بنوانا، جو محض خدا کے واسطے ہو، آدمیوں کے بخشنے سے دوسروں کو بھی ثواب بایں قیاس پہنچتا ہے کہ تمام علماء متفق ہیں کہ قرضداروں کے قرض ادا کرنے سے اموات (مردوں) کے عذاب آخرت سے رہائی ہوتی ہے اور منقول ہے کہ پیغمبر ﷺ سے کسی صحابی نے دریافت کیا کہ میری ماں مر گئی ہے، میں اس کے لئے کوئی ایسی چیز کرنا چاہتا ہوں جو اس کے کام آئے۔ حضرت ﷺ نے کنواں کھودنے کا ارشاد فرمایا۔

لیکن تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ اپنے کاموں کا اوروں کو ثواب بخشنا بہت سے متواتر صحابیوں سے منقول نہیں ہے باوجودیکہ وہ حضرات ماں، باپوں اور بزرگوں سے اس درجہ محبت کرتے اور ان کے حقوق اس قدر پہچانتے تھے جس قدر کہ ہم نہیں پہچانتے، مگر اس فعل کا عمل میں لانا اکثر حضرات سے ثابت نہیں ہوا جیسا کہ اس زمانہ کے لوگ اس فعل کو بکثرت کیا کرتے ہیں۔ نیز سارے علماء کا اتفاق ہے کہ مردوں کو اعمال کا ثواب بخشنے میں اگر نفع ہے، تو بھی بہت ہی تھوڑا ہے۔ اگر کوئی آدمی زندگی میں ایک پیسہ خرچ کرے تو اس کے پیچھے لاکھ پیسوں کے خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ اسی طرح اگر کسی آدمی نے اپنی ساری عمر کو دنیا کے حاصل کرنے میں ضائع اور برباد کر ڈالا اور کوئی بھی بھلا کام نہ کیا، جس کی وجہ سے خدا اس سے ناراض ہے تو ممکن نہیں کہ اس کے مرنے کے پیچھے اور لوگ اعمال خیر بجالائیں اور وہ اس کو آخرت کے عذاب سے چھڑا لیں۔ بلبل شیراز یوں نغمہ سرا ہوتا ہے۔ (فارسی شعر کا اردو ترجمہ):

سامان عیش اپنی قبر میں آپ بھیج کیونکہ کوئی کسی کے کام نہیں آتا، تو آپ مرنے سے پہلے بھیج۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ اگرچہ اعمال کا ثواب بخشنا درست ہے لیکن شرک کا موجب بھی ہے کیونکہ عوام الناس تمیز نہیں کرتے۔ ہم ان عبادتوں کا ثواب بزرگوں کو بخشتے ہیں یا خود بزرگوں کی قربت اور رضامندی کے واسطے عبادت کرتے ہیں، یوں ہی انجام کار غیر خدا کے نام کی عبادت کرنے لگتے ہیں اور

مشر ک بن جاتے ہیں۔ چو نکہ اس زمانہ میں اعمال شرک کی کثرت ہے، لہذا خاص لوگوں کو مناسب ہے کہ اس قسم کے کاموں سے غفلت اور چشم پوشی کریں تاکہ شرک کا دروازہ بند ہو جائے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اپنے اعمال غیر کو بخشنے کی ضرورت نہیں اگر اس میں فائدہ خیال کیا جا سکتا ہے تو بہت ہی تھوڑا سا۔

پس ان جیسے کاموں سے شرک کا دروازہ کھولنا کیا ضرور ہے؟ اور تھوڑے سے فائدے کے خیال پر ہزاروں مسلمانوں کو دوزخ کا رستہ دکھانے سے کیا فائدہ ہے۔ قبروں کے دیکھنے سے ہر چند کہ اپنی موت یاد آتی ہے اور دنیا سرائے معلوم ہوتی ہے مگر پھر بھی جناب رسالت مآب ﷺ نے پہلے پہل سب کو منع فرمایا کہ کوئی شخص قبر کی زیارت نہ کرے۔ اور اس کے سامنے جا کر کھڑا نہ ہو، صرف اس واسطے کہ اس زمانہ کے آدمی قبروں کی تعظیمیں حد سے زیادہ بجالا تے تھے، لیکن جب جاہلیت کا زمانہ گذر گیا اور موحد آدمی پیدا ہوئے اور قبروں کی تعظیمیں موقوف کر دیں تب بھی صرف مردوں ہی کو قبور کی زیارت کی اجازت ہوئی، لیکن عورتوں کو وہی ممانعت باقی رہی۔ وجہ یہ کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں۔ وہ قبروں پر جا کر بالضرور کوئی خلاف شرع تعظیم یا نوحہ کریں گی۔ اور نوحہ کرنے والی عورت کے حق میں وعید عذاب آخرت وارد ہوئی ہے۔

اگر کسی شخص کو منظور ہو کہ ہم سے انبیاء اور اولیاء یا پیروں یا مجتہدوں یا ماں باپ کو کسی قسم کا فائدہ پہنچے تو اسے اس طریقہ سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں کہ محض خالص خدا کے واسطے پہلے کام اور عبادت بجالا ئے اور دل سے فرمان الہی کا مطیع ہو کر عبادتوں کا ثواب کسی کو نہ بخشے بلکہ خود بھی ان کا ثواب نہ چاہے، ہاں دل میں صرف اس قدر خیال کرے کہ ہم نے محض اپنے مالک کی رضا مندی اور خوشنو دی کے واسطے یہ کام کیا ہے۔ اس کی مزدوری ہمیں درکار نہیں، بلکہ اس کی رحمت و عنایت ہماری بخشش کے واسطے کافی ہے جیسا کہ خواجہ حافظ فرماتے ہیں :

(فارسی شعر کا اردو ترجمہ):

تو گداؤں کی طرح مزدوری کی شرط پر بندگی نہ کر، کیونکہ سردار بندہ پروری کا طریقہ آپ جانتا ہے۔

اس طریق پر خدا تعالی اس مسلمان کو بہت سا اجر دے گا اور اس کے حقداروں کو بھی ثواب پہنچائے گا کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اولاد کے اعمال کا ثوا ب باپ دادا کو بدوں بخشے پہنچتا ہے، اور کرنے والے کا ثواب بھی کم نہیں ہو تا۔

اسی طرح شاگردوں کے اعمال کا ثواب علم ظاہری کے استادوں یعنی عالموں اور مجتہدوں اور علم باطنی کے مرشدوں یعنی پیران طریقت کو پہنچتا ہے۔ پس مناسب ہے کہ آدمی اپنے پروردگار کا فرمانبر دار ہو کیونکہ جب اللہ اس بندہ سے راضی ہو گا اور اپنی بارگاہ کا مقبول بنائے گا تو اس بندہ کے حقداروں کے احوال سے کہ اس کا دل ان کی بخشائش کے ساتھ متعلق ہے، بالکل غفلت نہ کریگا)۔

فصل پنجم دربیان ملحق بہ عبادات:

با ید دا نست که سوا ئے شا رع ؑ اقوام دیگر تعظیما تے که برائے خدا مقررنموده اند اگر شخصے آن را تعطیماً پیش غیر الله ادا نما ید مشر ک مے شود ۔ چرا که ایں ہمه ملحق به عبا دت اند۔ مثلاً شخصے پیش بزر گے یا قبر ے بیک پا استاده شود، یا سر خود را زیر کنده پا ئے خود را با لا کشدبشر ک جلی گر فتار خواہد شد، یا تعظیمے جد ید اختر ا ع نما ید که سوائے خدائے لا ئق قدر بز ر گان نیست البته مشر ک خواہد شد چنا نکه مر د ماں بسوئے قبور قد مے چند مے رو ند و باز ایستاد مے شو ند و کج شده باز پس مے آ یند و به طر ف آ ن قبر پشت نمے کنند بلکه به طرف پشت گامے نہند و باز آ یند و امثا ل ایں ہم بر یں قیاس با ید کر د بعضے مر د ماں مے گو ئند که ما یاں بز ر گاں را شر یک خدا نمے دا نیم و حل مشکلات از اینان نمے خوا ہیم بلکه ایشا ن مقر با ن بار گاه الہی ہستند ، ما را ہم قریب از خدا خوا ہند کر د با عث ہمیں است که تعطیما ت ایشا ن زیاده از حد بجا ئے آ ریم بجوا ب ایشا ن حق سبحا نه و تعا لی مے فر ما ید و الّذین اتّخذوا من دونه اولیاء ما نعبد هم الّا لیقرّ بونا الی اللّه زلفی۔ انّ اللّه یحکم بینهم فیما هم فیه یختلفون ۔ انّ اللّه لا یهدی من هو کاذب کفّار۔ آ نا نکه دوست گر فته اند بجز خدا گفتند که عبادت نمے کنیم ایشا ن را مگر برا ئے اینکه کنند ما یاں را بسو ئے خدا در مر تبه قر ب۔ ہر آ ئینه خدا حکم مے کند میان ایشا ن آ نچه که اختلاف دار ند، ہر آ ئینه خدا راه نمی نما ید کسے را که درو غ گو ئے کا فر است ۔

یعنی در میان موحداں و مشرکاں اختلاف است ۔ موحداں مے گو یند که ایں اعما ل شر ک است۔ از خدا دور مے افگند و مشر کاں مے گو یند که ایں تعظیما ت بز ر گا ن مو جب قر ب خدا است ۔ خدا تعا لی فر مود که ما حکم مے کنیم در میا ن ا ختلاف شما یاں و قو ل فیصل مے گویم، مشر کا ں کا ذب اند در قو ل خود مے گو یند که ما تعظیم و عبا دت بز ر گان نمے کنیم مگر برا ئے اینکه ما را از خدا قریب مے کنند بلکه عبادت بزرگاں بر ائے دفع بلائے نمایند و بزرگاں را قادر برفع حوائج میدانند و غیر الله دوست داشتن و عباد تش کر دن آ دم را کا فرمے کند ، چگو نه مو جب قرب الہی خواہد شد وہدایت بدست خدا است و او تعالی ہدایت نخواہد کرد ایں مشرکا ن دروغ گو را که مے گو ئند قر یب کر دن از خدائے تعا لی با ختیار بز ر گا ن است :

﴿إنک لا تهدی من أحببت و لکنّ اللّه یهدی من یّشاء﴾ فرا مو ش مے کنند

